وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا ٱلۡقُرۡءَانَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے

جلد 7	شمارہ 01	صفر 1434ھ	جنوری 2013ء

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین و گرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ المدثر	3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
3	نبوتِ محمدی ﷺ کا عقلی ثبوت	سیّد ابوالاعلیٰ مودودی	13
4	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں		17
5	تین عالمی طاقتیں	ضمیر اختر خان	34
6	خودی کی حقیقت 4	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	52
7	یاجوج ماجوج نمبر پر اہل علم اور جرائد کے تبصرے		61
8	تبصرہ وتعارفِ کتب		

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ مَا جَعَلۡنَاۤ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَۃً

اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں

وَّ مَا جَعَلۡنَا عِدَّتَہُمۡ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

اور ان کی مقررہ تعداد بنائی ہے کافروں کے لیے ایک آزمائش

لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ

(اور) اہل کتاب کے لیے کہ وہ یقین کریں

وَ یَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا

اور اہل ایمان کے لیے کہ ان کے ایمان بڑھ جائیں

وَّ لَا یَرۡتَابَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ

اور اہل کتاب اور مومن شک نہ کریں

وَ لِیَقُوۡلَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡکٰفِرُوۡنَ

اور اس لئے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں

(نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر ہیں، یہ کہیں (کہ)

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلاً

اس مثال (کے بیان کرنے) سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟

کَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ

اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے

اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

وَ مَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ O

اور یہ سب تو انسان کے لئے نصیحت ہے

صدق اللہ العظیم

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1 اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ خاص اُسی کے فضل وکرم سے ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ اپنی اشاعت کے چھ سال مکمل کر کے ساتویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔اس جریدہ کو جاری رکھنے میں اور بروقت اشاعت میں جن جن دوستوں اور بہی خواہوں کی کاوشیں اور دُعائیں شامل حال رہیں وہ سب حضرات بھی درجہ بدرجہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں ہم تہہ دل سے ان کی مساعی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ہمارے شکریے کے مستحق وہ اہل قلم ہیں جنہوں نے اس جریدہ کے صفحات کی زینت بننے والے مضامین ہمیں روانہ کیے اور ہم نے انہیں ہدیۂ قارئین کیا۔

سب سے آخر میں شکریے کے مستحق ہمارے وہ قارئین حضرات ہیں جو اس رسالہ کی خریداری کر کے اس جریدہ کے مشن میں مالی تعاون فرما رہے ہیں جس کے بغیر اسباب کی سطح پر اس ماہنامہ حکمت بالغہ کی اشاعت مشکلات کا شکار ہو سکتی ہے۔

ہمارے شکریے کے وہ حضرات اور جید علماء بھی مستحق ہیں جو اس رسالہ میں شائع کیے گئے مضامین کا مطالعہ فرماتے ہیں اور جہاں کوئی قابل گرفت چیز نظر آئے اس سے مطلع کرتے رہتے ہیں اور ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ایسی تمام تحریریں اور تنقیدی آراء قارئین کرام تک من وعن پہنچا دی جائیں۔یہ آراء بھی ماہنامہ حکمت بالغہ کے صفحات پر چھپتی رہتی ہیں۔

ان سطور کو ختم کرنے سے پہلے ہم اپنے ربّ کے حضور اپنی خطاؤں کی معافی کے خواستگار ہیں اور اس کی بے پایاں نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور دُعا گو ہیں کہ وہ اس جریدہ سے جو خیر پھیل رہا ہے وہ اس کے معاونین کے لیے توشۂ آخرت بنادے آمین اور ہمیں ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

2 حکمت بالغہ کی مسلسل اور باقاعدہ اشاعت کے ان چھ سالوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ یہ سوال سامنے آیا کہ قارئین حکمت بالغہ اس بات کو جاننا چاہیں گے کہ اس جریدہ کی اشاعت کا خیال کیسے آیا اور کن کن مراحل سے ہوکر اس جریدہ کی اشاعت کا اہتمام ممکن ہو سکا۔

حکمت بالغہ کے ساتویں سال کے آغاز پر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر ادا کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں اور یقیناً اس جریدے نے اگر کوئی مثبت کام کیا ہے تو ہمارے ان محسنین کا اس نیکی کی اشاعت میں بہت بڑا حصہ ہے اور بلا تأمل یہ بات بھی سامنے رہے کہ اس ضمن میں جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئی ہیں وہ سب کی سب ادارے کی طرف سے یا بالخصوص مدیر مسئول کے نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بستہ درخواست ہے کہ وہ ہماری ساری خطائیں معاف فرمائے آمین، اور آئندہ زندگی میں ان خطاؤں سے بچائے رکھے۔ آمین

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا [اے ہمارے پروردگار! ہم سے جو بھول یا خطا ہوئی ہے اس کا ہم سے مواخذہ نہ کیجیے گا (بلکہ معاف فرما دیجیے گا)]۔

انجمن خدام القرآن جھنگ کا قیام نومبر 1998ء میں عمل میں آیا تھا۔ اس کی رجسٹریشن کے مراحل کے لئے تگ و دو شروع ہوئی اور کاغذات مکمل کر کے لاہور میں متعلقہ آفس میں جمع کرائے تو کسی کارروائی سے پہلے ہی اکتوبر 99ء میں حکومت بدل گئی اور مارشل لاء آ گیا۔ پھر پرانا کمشنری نظام اور بلدیاتی نظام کی تبدیلی کا مرحلہ آ گیا اور تفاصیل طے ہو کر نافذ ہوتے ہوتے 2002ء آ گیا اور ضلعی حکومتوں کے نظام کے تحت مساجد اور انجمنوں کی رجسٹریشن کے اختیارات ضلعی حکومت کے پاس آ گئے۔

جھنگ میں ہماری انجمن کے کاغذات لاہور سے منتقل ہو گئے اور کارروائی مکمل ہونے میں چند ماہ لگ گئے۔ مئی 2002ء میں ضلع جھنگ میں نئے نظام کے تحت دوسرے نمبر پر

انجمن خدام القرآن جھنگ رجسٹر ہوگئی۔

انجمن کا پہلا دفتر راقم کے گھر پر تھا۔ انجمن کے دفاتر اور منصوبہ جات کے لئے قطعہ اراضی کی تگ ودو شروع ہوئی تو نگاہ انتخاب طویل مشورہ کے بعد موجودہ جگہ واقع لالہ زار کالونی نمبر 2 ٹوبہ روڈ جھنگ پر پڑی اور اتفاقِ رائے ہوگیا۔

چار کنال اراضی خرید لی گئی تعمیر کے مراحل کے لئے مشورہ ہوا تو کئی مقامی دوستوں اور انجمن کے تاسیسی ارکان نے ہمت کر کے ناگزیر تعمیرات کا آغاز کرا دیا۔ یہ تعمیرات کا سلسلہ نقشہ کی منظوری کے بعد مارچ 2003ء میں شروع ہو کر مئی 2007ء تک جاری رہا اور الحمدللہ 32000 مربع فٹ مسقّف جگہ تیار ہوگئی، جس میں 500/افراد کے لئے ایک آڈیٹوریم، 350 افراد کے لئے مسجد، لائبریری، کلاس روم، دفاتر اور رہائشی کمرے شامل ہیں ان تعمیرات کے لئے اس مشن سے دلچسپی رکھنے والوں کے علاوہ راقم کے بہت سے دوستوں عزیزوں اور سابقہ کاروباری تعلقات والے افراد نے تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین

قرآن اکیڈمی جھنگ کی ناگزیر تعمیرات مکمل ہوتے ہی کئی پروگراموں کا آغاز کر دیا گیا۔ پہلے تنظیم اسلامی کے حلقہ پنجاب وسطی کا دفتر بھی اکیڈمی میں ہی تھا۔ لہٰذا یہاں وقتاً فوقتاً حلقے کی سطح پر پروگرام منعقد ہوتے تھے اور ضلع لیہ، ضلع ٹوبہ اور ضلع جھنگ کے ساتھی ان پروگراموں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے تھے۔ اکیڈمی کی عمارت (کافی حد تک) استعمال آ رہی ہے۔

2006ء کے اوائل میں ایک اجتماع میں لیہ سے ایک رفیق جناب انجم صحرائی صاحب (جو وہاں کے مشہور صحافی ہیں اور ملک گیر شہرت رکھتے ہیں) بھی تشریف لائے ہوئے تھے اُن سے گفتگو میں انجمن کے تحت جاری سرگرمیوں کا ذکر آیا اور یہ تجویز سامنے آئی کہ یہاں دیگر تعلیمی پروگرام زیادہ کامیاب نہ ہوسکیں گے ایک دینی رسالہ کا اجرا کرنا چاہیے۔ کچھ دیر سرسری تبصروں کے بعد بات یہیں ختم ہوگئی۔

جولائی 2006ء میں ایک اور پروگرام میں حلقہ کے رفقاء جمع تھے اس موقع پر انجم صحرائی نے ایک دینی رسالہ کے جھنگ سے اجراء پر دوبارہ گفتگو چھیڑ دی راقم نے اس سلسلے میں مشکلات اور موانعات کا تذکرہ کیا۔ اُنہوں نے واضح فرمایا کہ رسالہ کا ڈکلریشن لینا کوئی مسئلہ نہیں

ہے یہ مرحلہ آسانی سے طے ہو جائے گا۔

چنانچہ اُنہوں نے اسی موقع پر نام کی منظوری کے لئے ایک خط ڈرافٹ کیا۔خط تیار ہو گیا تو ان کی موجودگی میں ہی محکمہ اطلاعات پنجاب سیکرٹریٹ میں متعلقہ افسر کے نام خط روانہ کرادیا۔

یہ ہمارے کرم فرما انجم صحرائی صاحب کا خلوص تھا کہ تین ہفتوں کے بعد' حکمت بالغہ' کے نام کی منظوری (AVAILABILITY) آگئی اب آگے کے مراحل سامنے تھے۔فون پر مشورہ کر کے کاغذات تیار کرنا شروع کیے، مقامی صحافی دوستوں سے رہنمائی لی اور کاغذات منظوری کے لئے DCO آفس میں جمع کرادیے گئے۔اس وقت مقامی افسر اطلاعات سبحان صاحب، جناب صدیق صادق صاحب (نمائندہ روزنامہ NATION لاہور)، جناب عامر صاحب فریش نیوز جھنگ اور دیگر حضرات نے حوصلہ افزائی کی اور مفید مشوروں کے علاوہ مرحلہ بمرحلہ مشکلات کا مقابلہ کرنے میں ساتھ میں دیا۔

چار ماہ کی مسلسل تھکا دینے والی محنت کے بعد نومبر 2006ء میں حکمت بالغہ کے نام سے ایک ماہنامے کا ڈکلریشن ہاتھ میں آ گیا۔ بھاگ دوڑ کر کے پہلا شمارہ جنوری 2007ء کے لئے تیار کیا گیا اور ڈاکخانے سے منظوری کے مراحل کے بعد دسمبر 06ء کے آخری دن میں پہلا رسالہ قارئین کے نام روانہ کر دیا گیا۔

حکمت بالغہ کے اجراء میں بنیادی طور پر راقم اور پھر قارئین حکمت بالغہ جناب انجم صحرائی صاحب مدظلہ کے شکر گزار ہیں کہ اُنہوں نے اس پُر خطر راستے پر چلنے کی ہمت دلائی اور رہنمائی فرمائی۔ مقامی سطح پر جناب صدیق صادق صاحب مدظلہ اور مولانا محمد انور چیمہ صاحب مدظلہ نے حد درجہ شفقت بھی فرمائی۔حوصلہ بھی دیا اور مشکلات کو دور کرنے کے لئے ہر طرح کا ساتھ دیا۔اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو ان کے اس بے لوث تعاون اور نیکی میں ہاتھ بٹانے کا صلہ عطا فرمائے آمین۔

یہ سوال قارئین حکمت بالغہ کے ذہنوں میں بجا طور پر پیدا ہو گا کہ ہم نے اس جریدہ کے اجراء کے سلسلے میں اپنے محسنوں کا شکریہ ادا کرنے اور قارئین سے متعارف کرانے میں چھ سال کا عرصہ کیوں لگا دیا؟

اپنے اس طرزِ عمل پر اس معارضہ کا مجھے بھی مسلسل خدشہ رہا ہے اور راقم بالا رادہ اس کام کو ٹالتا رہا ہے۔ اس تاخیر کے پیچھے یقیناً تاخیر کی ایک وجہ تھی جس کے باعث یہ مرحلہ ملتوی ہوتا رہا۔ راقم کے نزدیک تو وہ وجہ بہت اہم تھی شاید آپ کی نظر سے گزرے تو آپ بھی اُسے معقول تصوّر کریں۔ ورنہ درگزر فرما دیجیے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ راقم نے جب اس جریدہ کی ادارت کا بوجھ اُٹھایا تو راقم کے پاس اس شعبہ کا کوئی خاطر خواہ تجربہ نہیں تھا۔ 30 سال قبل کچھ عرصہ ماہانہ میثاق لاہور کی ادارت میں معاون رہا تھا اس لئے ان مراحل سے زیادہ واسطہ نہیں رہا تھا۔ اس لئے رسالہ کے اجراء پر ایک نیکی کے کام کے طور پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور تہہ دل سے اسی پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے آغاز تو کر دیا تھا مگر دل میں یہ کھٹکا موجود تھا کہ یہ رسالہ قرآن اکیڈمی جھنگ سے جاری رہ سکے گا یا نہیں ۔ بہت سارے ماہناموں اور دیگر جرائد کی روداد معلوم ہے کہ وہ اس راہ میں آنے والی مشکلات اور موانعات کا مقابلہ نہ کر سکے اور یہ رسائل جاری نہ رہ سکے۔

خدشہ یہی تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اس جریدہ کو جاری نہ رکھ سکیں اور کوئی قابل ذکر کام نہ کر سکیں یا معیار برقرار نہ رکھ سکیں۔ راقم نے بالا رادہ اپنے محسنوں کا تذکرہ کرنے سے گریز کیا ہے کہ رسالہ کی مسلسل اشاعت اور معیار سے کوتاہی کے ذمہ دار تو ہم ہوں گے مگر ہمارے قارئین کے سامنے ہماری لغزشوں اور کاتاہیوں کی وجہ سے ہمارے محسنوں کے لئے بھی کوئی سوئے ظن نہ پیدا ہو جائے کہ انھوں نے ایسے رسالہ کا اجراء کرا دیا جو پتہ تھا کہ جاری نہیں رہ سکے گا۔

اب اس موقع پر بغیر کسی خودستائی کے ہم یہ عرض کرنے کے قابل ہیں کہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رحمت سے اس جریدہ کے چھ سال مکمل ہوگئے ہیں اور اس عرصہ میں چھ خصوصی اشاعتیں بھی شامل ہیں۔ رسالہ کی بروقت، مسلسل اور باقاعدہ اشاعت میں بھی الحمدللہ کوئی خلل نہیں آیا تو آئندہ بھی اصلاً اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اور عالم اسباب میں قارئین کے تعاون اور قرآن اکیڈمی کے مالی وسائل کی قابلیت کی بدولت یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ جریدہ حسب سابق کسی نہ کسی درجہ میں جتنا ممکن ہوا دین کی خدمت میں اپنا سفر جاری رکھے گا۔ وماذالك على الله بعزيز

قارئین حکمت بالغہ سے خصوصی درخواست ہے کہ وہ راقم آثم، ہمارے ادارتی عملہ اور

قرآن اکیڈمی جھنگ کے ارکان کے لئے خصوصی دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے اور عالم اسباب میں وسائل جمع فرمائے رکھے۔ آمین

3 حکمت بالغہ میں شائع شدہ کئی مضامین اور سلسلہ وار تحریریں اب کتابی شکل میں طبع کرانے کا پروگرام بن گیا ہے۔

☆ پہلی کتاب جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سوسال (1910ء_2010ء) جو تین عالمی مغربی سپر طاقتوں کے زوال کا باعث بن گئے۔ فروری 2012ء میں چھپ گئی تھی پہلا ایڈیشن ختم ہونے والا ہے الحمدللہ، دوسرا ایڈیشن جلد سامنے آ جائے گا۔

☆ 21 اسلامی شخصیات پر سیمیناروں کی روداد بھی اب تین حصوں میں حصہ اوّل ـــــ حصہ دوم ـــــ حصہ سوم کی شکل میں شائع ہورہی ہے۔ حصہ اوّل شائع ہو چکا ہے حصہ دوم اور سوم پریس میں ہے ان شاءاللہ جلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں ہوں گے۔

☆ 'یاجوج ماجوج نمبر' کی اہل علم نے بڑی پذیرائی کی ہے۔ رسالہ کی معمول کی طباعت ختم ہوگئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔ اب اس کو بھی کتابی شکل میں شائع کرارہے ہیں۔ اس خصوصی نمبر کو من وعن شامل کر کے اس کے ساتھ 'اشراط الساعۃ' والے سلسلۂ تحریر میں جو 'یاجوج ماجوج کی یلغار' کے عنوان سے تحریر تھی وہ بھی اور اکتوبر 12ء کے پرچے میں 'یاجوج ماجوج نمبر' کا پس نوشت بھی ملا کر ایک کتاب پریس جانے کے لیے تیار ہے۔

☆ اسی طرح اس سال 'صہیونیت، قرآن مجید کی روشنی میں' والے مضامین کو بھی کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ ان شاءاللہ

4 2013ء میں ان شاءاللہ حکمت بالغہ کے صفحات میں 'خلافت' کے موضوع پر سلسلہ مضامین کا آغاز کیا جائے گا جس میں سقوطِ خلافت اسلامیہ رجب 1342ھ (بمطابق مارچ 1924ء) کے بعد سے احیائے خلافت کے سلسلے میں کی گئی کوششوں کا تذکرہ ہوگا۔ جس سے ان شاءاللہ قارئین خود اندازہ کرسکیں گے کہ اس راستے کا کتنا کام ہو چکا ہے اور ابھی کتنا کام باقی ہے۔ واللہ الموفق والمستعان

نبوتِ محمدی ﷺ کا عقلی ثبوت

انتخاب: انجینئر عبداللہ اسماعیل

شیخ عمر فاروق صاحب کی کتاب سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ (سیرۃ النبی کے شاداب پھول) سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی یہ تحریر مغرب زدہ نوجوانوں کے ذہنوں کو مطمئن کرنے والی تحریروں میں سے ایک ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے جسمانی آنکھیں بند کر کے تصور کی آنکھیں کھول لیجیے اور ایک ہزار چار سو برس پیچھے پلٹ کر دنیا کی حالت پر نظر ڈالیے۔ یہ کیسی دنیا تھی؟ انسان اور انسان کے درمیان تبادلہ خیالات کے وسائل کس قدر کم تھے۔ قوموں اور ملکوں کے درمیان تعلق کے ذرائع کتنے محدود تھے انسان کی معلومات کس قدر کم تھیں اس کے خیالات کس قدر تنگ تھے اس پر وہم اور توحش کا کس قدر غلبہ تھا جہالت کے اندھیرے میں علم کی روشنی کتنی دھندلی تھی اور اس اندھیرے کو دھکیل دھکیل کر کتنی دِقتوں کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ دنیا میں نہ تار تھا، نہ ٹیلیفون تھا، نہ ریڈیو تھا، نہ ریل اور نہ ہوائی جہاز تھے۔ نہ مطابع اور اشاعت خانے تھے۔ نہ مدرسوں اور کالجوں کی کثرت تھی نہ اخبارات اور رسالے شائع ہوتے تھے۔ نہ کتابیں کثرت سے لکھی جاتی تھیں، نہ کثرت سے ان کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس زمانے کے ایک عالم کی معلومات بھی بعض حیثیات سے موجودہ زمانے کے ایک عامی کی بہ نسبت کم تھیں۔ اس زمانے کی اونچی سوسائٹی کا آدمی بھی موجودہ زمانے کے ایک مزدور کی بہ نسبت کم شائستہ تھا۔ اس زمانہ کا ایک نہایت روشن خیال آدمی بھی آج کل کے تاریک

خیال آدمی سے زیادہ تاریک خیال تھا۔ جو باتیں آج ہر کس و ناکس کو معلوم ہیں وہ اس زمانہ میں برسوں کی محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد بھی بمشکل معلوم ہو سکتی تھیں۔ جو معلومات آج روشنی کی طرح فضا میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر بچے کو ہوش سنبھالتے ہی حاصل ہو جاتی ہیں ان کے لئے اس زمانے میں سیکڑوں میل کے سفر کیے جاتے تھے اور عمریں ان کی جستجو میں بیت جاتی تھیں۔ جن باتوں کو آج اوہام و خرافات سمجھا جاتا ہے وہ اس زمانے کے ''حقائق'' تھے جن افعال کو آج ناشائستہ اور وحشیانہ کہا جاتا ہے وہ اس زمانہ کے عام معمولات تھے۔ جس طریقوں سے آج انسان کا ضمیر نفرت کرتا ہے اور وہ اس زمانے کے اخلاقیات میں نہ صرف جائز تھے بلکہ کوئی شخص یہ خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ ان کے خلاف بھی کوئی طریقہ ہو سکتا ہے۔ انسان کی عجائب پرستی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی چیز میں اس وقت تک کوئی صداقت، کوئی بزرگی، کوئی پاکیزگی تسلیم ہی نہ کر سکتا تھا جب تک کہ وہ فوق الفطرت نہ ہو، خلاف عادت نہ ہو، غیر معمولی نہ ہو، حتیٰ کہ انسان خود اپنے آپ کو اس قدر ذلیل سمجھتا تھا کہ کسی انسان کا اللہ والا ہونا اور کسی اللہ والے کا انسان ہونا اس کے تصور کی رسائی سے بہت دور تھا۔

اس تاریک دور میں زمین کا ایک گوشہ ایسا تھا جہاں تاریکی کا تسلط اور بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ جو ممالک اس زمانے کے معیارِ تمدن کے لحاظ سے متمدن تھے ان کے درمیان عرب کا ملک سب سے الگ تھلگ پڑا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد ایران، روم اور مصر کے ملکوں میں علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کی کچھ روشنی پائی جاتی تھی مگر ریت کے بڑے بڑے سمندروں نے عرب کو ان سے جدا کر رکھا تھا۔ عرب سوداگر اونٹوں پر مہینوں کی راہ طے کر کے ان ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے اور صرف اموال کا مبادلہ کر کے واپس آ جاتے تھے۔ علم و تہذیب کی کوئی روشنی ان کے ساتھ نہ آتی تھی۔ ان کے ملک میں نہ کوئی مدرسہ تھا، نہ کتب خانہ تھا، نہ لوگوں میں تعلیم کا چرچا تھا، نہ علوم و فنون سے کوئی دلچسپی تھی تمام ملک میں گنتی کے چند آدمی تھے جنہیں کچھ لکھنا پڑھنا آتا تھا مگر وہ بھی اتنا نہیں کہ اس زمانے کے علوم و فنون سے آشنا ہوتے۔ ان کے پاس ایک اعلیٰ درجے کی باقاعدہ زبان ضرور تھی جس میں بلند خیالات کو ادا کرنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ ان میں بہترین ادبی مذاق بھی موجود تھا، مگر ان کے لٹریچر کے کچھ باقیات ہم تک پہنچے ہیں ان کو دیکھنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی معلومات کس قدر محدود تھیں، تہذیب وتمدن میں ان کا درجہ کس قدر پست تھا۔ان پر اوہام کا کس قدر غلبہ تھا۔ان کے خیالات اوران کی عادات میں کتنی جہالت اور وحشت تھی ان کے اخلاقی تصورات کتنے بھدّے تھے۔

وہاں کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی،کوئی ضابطہ اورقانون نہ تھا ہر قبیلہ اپنی جگہ خودمختار تھا اور صرف جنگل کے قانون کی پیروی کی جاتی تھی،جس کا جس پر بس چلتا اسے مارڈالتا اوراس کے مال پر قابض ہوجاتا۔یہ بات ایک عرب بدوی کے فہم سے بالاتر تھی کہ جوشخص اس کے قبیلہ کا نہیں ہے اسے وہ کیوں نہ مارڈالے اوراس کے مال پر کیوں نہ متصرف ہوجائے۔

اخلاق اورتہذیب وشائستگی کے جوکچھ بھی تصورات ان لوگوں میں تھے وہ نہایت ادنیٰ اورسخت ناتراشیدہ تھے،پاک اورناپاک،جائز اورناجائز،شائستہ اورناشائستہ کی تمیز سے وہ تقریباً ناآشنا تھے۔ان کی زندگی نہایت گندی تھی ان کے طریقے وحشیانہ تھے۔زنا،جوا،شراب،چوری، رہزنی اورقتل وخون ریزی ان کی زندگی کے معمولات تھے۔وہ ایک دوسرے کے سامنے بے تکلف برہنہ ہوجاتے تھے۔ان کی عورتیں تک ننگی ہوکر کعبہ کا طواف کرتی تھیں۔وہ اپنی لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کردیتے تھے۔محض اس جاہلانہ خیال کی بنا پر کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے۔وہ اپنے باپوں کے مرنے کے بعد اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کرلیتے تھے۔انھیں کھانے اورلباس اور طہارت کے معمولی آداب تک معلوم نہ تھے۔

مذہب کے باب میں وہ ان تمام جہالتوں اورضلالتوں کے حصہ دار تھے جن میں اس زمانہ کی دنیا مبتلا تھی۔بت پرستی،ارواح پرستی،کواکب پرستی،غرض ایک اللہ کی پرستش کے سوا اس وقت دنیا میں جتنی ''پرستیاں'' پائی جاتی تھیں وہ سب ان میں رائج تھیں،انبیاء قدیم اوران کی تعلیمات کے متعلق کوئی صحیح علم ان کے پاس نہ تھا۔وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ ابراہیم اوراسماعیل ان کے باپ ہیں مگر یہ نہ جانتے تھے کہ ان دونوں باپ بیٹوں کا دین کیا تھا اوروہ کس کی عبادت کرتے تھے۔عاد اورثمود کے قصے بھی ان میں مشہور تھے مگران کی جوروایتیں عرب کے مؤرّخین نے نقل کی ہیں ان کو پڑھا جائے،کہیں آپ کو صالح اور ہود کی تعلیمات کا نشان نہ ملے گا۔ان کو یہودیوں اورعیسائیوں کے واسطے سے انبیائے بنی اسرائیل کی کہانیاں بھی پہنچی تھیں۔مگر وہ جیسی

کچھ تھیں ان کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک نظر ان اسرئیلی روایات پر ڈال لینا کافی ہے جو مفسرین اسلام نے نقل کی ہیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اہل عرب اور خود بنی اسرائیل جن انبیاء سے واقف تھے وہ کیسے انسان تھے اور نبوت کے متعلق ان لوگوں کا تصور کس قدر گھٹیا درجہ کا تھا۔

خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

ایسے زمانہ میں، ایسے ملک میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے بچپن ہی میں ماں باپ اور دادا کا سایہ اس کے سر سے اٹھ جاتا ہے۔ اس لئے اس گئی گزری حالت میں ایک عرب بچے کو جو تھوڑی بہت تربیت مل سکتی تھی، وہ بھی اس کو نہیں ملتی، ہوش سنبھالتا ہے تو بدوی لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے لگتا ہے جوان ہوتا ہے تو سوداگری میں لگ جاتا ہے، اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا سب کچھ انہیں عربوں کے ساتھ ہے، جن کا حال اوپر آپ نے دیکھ لیا۔ تعلیم کا نام تک نہیں حتیٰ کہ پڑھنا لکھنا تک نہیں آتا۔ کسی عالم کی صحبت بھی میسر تک نہیں ہوئی کہ ''عالم'' کا وجود اس وقت تک تمام عرب میں کہیں نہ تھا۔

چند مرتبہ اسے عرب سے باہر قدم نکالنے کا اتفاق ضرور ہوا مگر یہ سفر صرف شام کے علاقے تک تھے اور ویسے ہی تجارتی سفر تھے جیسے اس زمانہ میں عرب کے تجارتی قافلے کیا کرتے تھے بالفرض اگر ان اسفار کے دوران میں اس نے کچھ آثارِ علم و تہذیب کا مشاہدہ کیا اور کچھ اہل علم سے ملاقات کا اتفاق بھی ہوا تو ظاہر ہے کہ ایسے منتشر مشاہدات اور ایسی ہنگامی ملاقاتوں سے کسی انسان کی سیرت نہیں بن جاتی۔ ان کا اثر کسی شخص پر اتنا زبردست نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے ماحول سے بالکل آزاد، بالکل مختلف اور اتنا بلند ہو جائے کہ اس میں اور اس کے ماحول میں کوئی نسبت ہی نہ رہے۔ ان سے ایسا علم حاصل ہونا ممکن نہیں ہے جو ایک ان پڑھ بدوی کو ایک ملک کا نہیں تمام دنیا کا اور ایک زمانہ کا نہیں تمام زمانوں کا لیڈر بنا دے۔ اگر کسی درجہ میں اس نے باہر کے لوگوں سے علمی استفادہ کیا بھی ہو تو جو معلومات اس وقت دنیا میں کسی کو حاصل ہی نہ تھیں، مذہب اخلاق، تہذیب اور تمدن کے جو تصورات اور اصول اس وقت دنیا میں کہیں موجود ہی نہ تھے، انسانی سیرت کے جو نمونے اس وقت کہیں پائے ہی نہیں جاتے تھے، ان کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا تھا۔

صرف عرب ہی کا نہیں تمام دنیا کا ماحول پیش نظر رکھیئے اور دیکھئے!

یہ شخص جن لوگوں میں پیدا ہوا جن میں بچپن گزارا جن کے ساتھ پل کر جوان ہوا، جن سے اس کا میل جول رہا، جن سے اس کے معاملات رہے، ابتداء ہی سے عادات میں، اخلاق میں وہ ان سب سے مختلف نظر آتا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کی صداقت پر اس کی ساری قوم گواہی دیتی ہے۔ اس کے کسی بدترین دشمن نے بھی کبھی اس پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا۔ وہ کسی سے بدکلامی نہیں کرتا کسی نے اس کی زبان سے کبھی گالی یا کوئی فحش بات نہیں سنی۔ وہ لوگوں سے ہر قسم کے معاملات کرتا ہے، مگر کبھی کسی سے تلخ کلامی اور تو تو میں میں کی نوبت تک نہیں آتی۔ اس کی زبان میں سختی کی بجائے شیرینی ہے اور وہ بھی ایسی کہ جو بھی اس سے ملتا ہے گرویدہ ہو جاتا ہے وہ کسی سے بدمعاملگی نہیں کرتا۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ برسوں سوداگری کا پیشہ کرنے کے باوجود کسی کا ایک پیسہ بھی ناجائز طریقہ سے نہیں لیتا جن لوگوں سے اس کے معاملات پیش آتے ہیں وہ سب اس کی ایمانداری پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ ساری قوم اس کو ''امین'' کہتی ہے۔ دشمن تک اس کے پاس اپنے قیمتی مال رکھواتے ہیں اور وہ ان کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ بے حیا لوگوں کے درمیان وہ ایسا حیادار ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد کسی نے اس کو برہنہ نہیں دیکھا۔ بداخلاقوں کے درمیان وہ ایسا پاکیزہ اخلاق ہے کہ کبھی کسی بدکاری میں مبتلا نہیں ہوتا۔ شراب اور جوئے کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ ناشائستہ لوگوں کے درمیان وہ ایسا شائستہ ہے کہ ہر بدتمیزی اور گندگی سے نفرت کرتا ہے اور اس کے ہر کام میں ستھرائی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ سنگدلوں کے درمیان وہ ایسا نرم دل ہے کہ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتا ہے، مسافروں کی میزبانی کرتا ہے، کسی کو اس سے دکھ نہیں پہنچتا اور وہ دوسروں کی خاطر دکھ اٹھاتا ہے۔ وحشیوں کے درمیان وہ ایسا صلح پسند ہے کہ اپنی قوم میں فساد اور خون ریزی کی گرم بازاری دیکھ کر اس کو اذیت ہوتی ہے، اپنے قبیلہ کی لڑائیوں سے دامن بچاتا ہے اور مصالحت کی کوششوں میں پیش پیش رہتا ہے۔ بت پرستوں کے درمیان وہ ایسا سلیم الفطرت اور صحیح العقل ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اسے پوجنے کے لائق نظر نہیں آتی، کسی مخلوق کے آگے اس کا سر نہیں جھکتا۔ بتوں کے چڑھاوے کا کھانا بھی قبول نہیں کرتا، اس کا دل خود بخود شرک اور مخلوق پرستی

سے نفرت کرتا ہے۔

اس ماحول میں یہ شخص ایسا ممتاز نظر آتا ہے جیسے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ایک شمع روشن ہے یا پتھروں کے ڈھیر میں ایک ہیرا چمک رہا ہے۔

تقریباً چالیس سال تک ایسی پاک، صاف، شریفانہ زندگی بسر کرنے کے بعد اس کی زندگی میں ایک انقلاب شروع ہوتا ہے وہ اس تاریکی سے گھبرا اٹھتا ہے جو اس کی طرف سے محیط نظر آتی ہے۔ وہ جہالت، بداخلاقی، بدکرداری، بدنظمی، شرک اور بت پرستی کے اس ہولناک سمندر سے نکل جانا چاہتا ہے، جو اس کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس ماحول میں کوئی چیز بھی اس کو اپنی طبیعت کے مناسب نظر نہیں آتی۔ وہ سب سے الگ ہوکر آبادی سے دور پہاڑوں کی صحبت میں جا جا کر بیٹھنے لگتا ہے۔ تنہائی اور سکون کے عالم میں کئی کئی دن گزارتا ہے۔ روزے رکھ رکھ کر اپنی روح اور اپنے دل و دماغ کو اور زیادہ پاک صاف کرتا ہے سوچتا ہے غور وفکر کرتا ہے۔ کوئی ایسی روشنی ڈھونڈتا ہے جس سے وہ اس چاروں طرف چھائی ہوئی تاریکی کو دور کردے۔ ایسی طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے جس سے اس بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر پھر سے سنوار دے۔

یکا یک اس کی حالت میں ایک عظیم الشان تغیر رونما ہوتا ہے۔ ایک دم سے اس کے دل میں وہ روشنی آجاتی ہے جو پہلے اس میں نہ تھی۔ اچانک اس کے اندر وہ طاقت بھر جاتی ہے جس سے وہ اس وقت تک خالی تھا۔ وہ غار کی تنہائی سے نکل آتا ہے۔ اپنی قوم کے پاس آتا ہے اس سے کہتا ہے کہ یہ بت جن کے آگے تم جھکتے ہو، یہ سب بے حقیقت چیزیں ہیں، انہیں چھوڑ دو، کوئی انسان، کوئی درخت، کوئی، پتھر کوئی روح، کوئی سیارہ اس قابل نہیں تم اس کے آگے سر جھکاؤ اور اس کی بندگی وعبادت کرو اور اس کی فرمابرداری واطاعت کرو۔ یہ زمین، یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے، یہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں ایک اللہ کی مخلوق ہیں وہی تمہارا اور ان سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی رزق دینے والا ہے وہی مارنے اور جلانے والا ہے اسی کی بندگی کرو اسی کا حکم مانو اور اسی کے آگے سر جھکاؤ۔ یہ چوری، یہ لوٹ مار، یہ قتل وغارت، یہ ظلم وستم، یہ بدکاریاں جو تم کرتے ہو، سب گناہ ہیں۔ انہیں چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ انہیں پسند نہیں کرتا۔ سچ بولو، انصاف کرو، نہ کسی کی جان لو، نہ کسی کا مال چھینو، جو کچھ لو حق کے ساتھ لو، جو کچھ دو حق کے ساتھ دو۔ تم سب انسان ہو۔

انسان اور انسان سب برابر ہیں۔ نہ کوئی ذلت کا داغ لے کر پیدا ہوا اور نہ کوئی عزت کا تمغہ لے کر دنیا میں آیا۔ بزرگی اور شرف نسل اور نسب میں نہیں، صرف ربّ پرستی، نیکی اور پاکیزگی میں ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور نیک اور پاک ہے وہ اعلیٰ درجہ کا نسان ہے اور جو ایسا نہیں وہ کچھ بھی نہیں۔ مرنے کے بعد تم سب کو اپنے اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے تم میں سے ہر ہر شخص اپنے اعمال کے لئے اللہ کے سامنے جواب دہ ہے، اُس اللہ کے سامنے جو سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے۔ تم کوئی چیز اس سے نہیں چھپا سکتے۔ تمہاری زندگی کا کارنامہ اس کے سامنے بے کم و کاست پیش ہوگا اور اسی کارنامے کے لحاظ سے وہ تمہارے انجام کا فیصلہ کرے گا۔ اس عادل حقیقی کے ہاں نہ کوئی سفارش کام آئے گی، نہ رشوت چلے گی، نہ کسی کا نسب پوچھا جائے گا۔ وہاں صرف ایمان اور نیک عمل کی پوچھ ہوگی۔ جس کے پاس یہ سامان ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور جس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہوگا وہ نامراد دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

یہ تھا پیغام جسے لے کر وہ غار سے نکلا!

جاہل قوم اس کی دشمن ہو جاتی ہے۔ گالیاں دیتی ہے پتھر مارتی ہے ایک دن دو دن نہیں اکٹھے تیرہ برس تک اس پر سخت سے سخت ظلم توڑتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے وطن سے نکال باہر کرتی ہے اور پھر نکالنے پر بھی دَم نہیں لیتی۔ جہاں وہ جا کر پناہ لیتا ہے وہاں بھی اسے ہر طرح ستاتی ہے۔ تمام عرب کو اس کے خلاف ابھار دیتی ہے اور کامل آٹھ برس اس کے خلاف بر سر پیکار رہتی ہے۔ وہ ان سب تکلیفوں کو سہتا ہے مگر اپنی بات سے نہیں ہٹتا۔

<u>یہ قوم اس کی دشمن کیوں ہوئی؟</u>

☆ کیا زر اور زمین کا کوئی جھگڑا تھا؟

☆ کیا خون کا کوئی دعویٰ تھا؟

☆ کیا وہ ان سے دنیا کی کوئی چیز بھی مانگ رہا تھا؟

نہیں، ساری دشمنی صرف اس بات پر تھی کہ وہ ایک اللہ کی بندگی اور پرہیزگاری اور نیکوکاری کی تعلیم کیوں دیتا ہے، بت پرستی اور شرک اور بدعملی کے خلاف تبلیغ کیوں کرتا ہے، پجاریوں اور پروہتوں کی پیشوائی پر کیوں ضرب لگاتا ہے، سرداروں کی سرداری کا طلسم کیوں توڑتا

ہے، انسان اور انسان کے درمیان سے اونچ نیچ کا فرق کیوں مٹانا چاہتا ہے۔ قبائلی اور نسلی تعصّبات کو جاہلیت کیوں قرار دیتا ہے، زمانہ قدیم سے سوسائٹی کا جو نظام بندھا چلا آ رہا ہے اسے کیوں توڑنا چاہتا ہے۔ قوم کہتی تھی کہ یہ باتیں جو تو کہہ رہا ہے، یہ سب خاندانی روایات اور قومی طریقہ کے خلاف ہیں تو ان کو چھوڑ دے ورنہ ہم تیرا جینا مشکل دیں گے۔

اچھا تو اس شخص نے یہ تکلیفیں کیوں اٹھائیں؟

قوم اس کو بادشاہی دینے پر آمادہ تھی، دولت کے ڈھیر اس کے قدموں میں ڈالنے کو تیار تھی، بشرطیکہ وہ اپنی اس تعلیم سے باز آ جائے مگر اس نے ان سب کو ٹھکرا دیا اور اپنی تعلیم کی خاطر پتھر کھانا اور ظلم سہنا قبول کیا۔ یہ آخر کیوں؟ کیا ان کے ربّ پرست اور نیکوکار بن جانے میں اس کا کوئی ذاتی فائدہ تھا؟ کیا کوئی ایسا فائدہ تھا جس کے مقابلے میں ریاست اور امارت اور دولت اور عیش کے سارے لالچ بھی ناقابل التفات تھے؟ کیا کوئی ایسا فائدہ تھا جس کی خاطر ایک شخص سخت سے سخت جسمانی اور روحانی اذیتوں میں مبتلا ہونا اور کامل 21 سال مبتلا رہنا بھی گوارا کرسکتا ہو؟ ...... غور کرو! کیا نیک نفسی، ایثار اور ہمدردی بنی نوع کا اس سے بھی بلند تر کوئی مرتبہ تمہارے تصور میں آسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی فائدہ کی خاطر نہیں، دوسرں کے بھلے کی خاطر تکلیفیں اٹھائے؟ جن کی بھلائی اور بہتری کے لئے وہ کوشش کرتا ہے وہی اس کو پتھر ماریں، گالیاں دیں، گھر سے بے گھر کردیں، غریب الوطنی میں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑیں، اور وہ ان سب باتوں پر بھی وہ ان کا بھلا چاہنے سے باز نہ آئے۔

پھر دیکھو! کیا کوئی جھوٹا شخص کسی بے اصل بات کے پیچھے ایسی مصیبتیں برداشت کرسکتا ہے؟ کیا کوئی تیر تکے لڑانے والا انسان محض گمان اور قیاس سے کوئی بات کہہ کر اس پر اتنا جم سکتا ہے کہ مصیبتوں کے پہاڑ اس پر ٹوٹ جائیں، زمین اس پر تنگ کردی جائے، تمام ملک اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، بڑی بڑی فوجیں اس پر امنڈ امنڈ کر آئیں، مگر وہ اپنی بات سے یک سر مو ہٹنے پر آمادہ نہ ہو؟ یہ استقامت، یہ عزم، یہ ثبات، خود گواہی دے رہا ہے کہ اس کو اپنی صداقت پر یقین اور کامل یقین تھا۔ اگر اس کے دل میں شک و شبہ کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو وہ مسلسل 21 سال تک مصائب کے ان پے در پے طوفانوں کے مقابلہ میں کبھی نہ ٹھہر سکتا۔

یہ تو اس شخص کے انقلابِ حال کا ایک پہلو تھا۔ دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ چالیس برس کی عمر تک وہ ایک عرب تھا عام عربوں کی طرح۔ اس دوران میں کسی نے اس سوداگر کو ایک خطیب، ایک جادو بیان مقرر کی حیثیت سے نہ جانا، کسی نے اس کو حکمت اور دانائی کی باتیں کرتے نہ سنا۔ کسی نے اس کو الٰہیات (اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق باتیں) اور فلسفہ اخلاق اور قانون وسیاسیات اور معاشیات اور عمرانیات کے مسائل پر بحث کرتے نہ دیکھا، کسی نے اس سے اللہ اور ملائکہ اور آسمانی کتابوں اور پچھلے انبیاء اور اُمم قدیمہ اور قیامت اور حیات بعد الموت اور دوزخ وجنت کے متعلق ایک لفظ بھی نہ سنا۔ وہ پاکیزہ اخلاق شائستہ اطوار اور بہترین سیرت تو ضرور رکھتا تھا مگر چالیس برس کی عمر کو پہنچنے تک اس کی ذات میں کوئی بھی غیر معمولی بات نہ پائی گئی جس سے لوگ متوقع ہوتے کہ یہ شخص اب کچھ بننے والا ہے اس وقت تک جاننے والے اس کو محض ایک خاموش، امن پسند اور نہایت شریف انسان کی حیثیت سے جانتے تھے، مگر چالیس برس کے بعد جب وہ اپنے غار سے ایک نیا پیغام لے کر نکلا تو یک لخت اس کی کایا ہی پلٹی ہوئی تھی۔

اب وہ ایک حیرت انگیز کلام سنا رہا تھا جس کو سن کر سارا عرب مبہوت ہو گیا۔ اس کلام کی شدتِ تاثیر کا یہ حال تھا کہ اس کے کٹر دشمن بھی اس کو سنتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں یہ دل میں اُتر نہ جائے اس کی فصاحت و بلاغت اور زور و بیان کا یہ عالم تھا کہ تمام قومِ عرب کو جس میں بڑے بڑے شاعر، خطیب اور زبان آوری کے مدعی موجود تھے، اس نے چیلنج دیا اور بار بار چیلنج دیا کہ تم سب مل کر ایک ہی سورۃ اس کے مانند بنا لاؤ مگر کوئی اس کے مقابلے کی جرأت نہ کر سکا۔ ایسا بے مثل کلام کبھی عرب کے کانوں نے سنا ہی نہ تھا۔

اب یکایک وہ بے مثل حکیم، ایک لاجواب مصلح اخلاق وتمدن ایک حیرت انگیز ماہر سیاسیات، ایک زبردست مقنّن، ایک اعلیٰ درجہ کا جج، ایک بے نظیر سپہ سالار بن کر ظاہر ہوا۔ اس نے، اس اَن پڑھ صحرا نشین نے حکمت اور دانائی کی وہ باتیں کہنی شروع کر دیں جو نہ اس سے پہلے کسی نے کہی تھیں نہ اس کے بعد کوئی کہہ سکا وہ اُمی الٰہیات کے عظیم الشان مسائل پر فیصلہ کن تقریریں کرنے لگا تاریخ اقوام سے عروج وزوال اُمم کے فلسفہ پر لیکچر دینے لگا پرانے مصلحین

کے کارناموں پر تبصرے اور مذاہب عالم پر تنقید اور اختلافات اقوام کے فیصلے کرنے لگا۔ اخلاق اور تہذیب اور شائستگی کا درس دینے لگا۔

اس نے معاشرت اور معیشت اور اجتماعی معاملات اور بین الاقوامی تعلقات کے متعلق قوانین بنانے شروع کر دیے اور ایسے قوانین بنائے کہ بڑے بڑے علماء اور عقلاء غور وخوض اور عمر بھر کے تجربات کے بعد بمشکل ان کی حکمتوں کو سمجھ سکتے ہیں اور دنیا کے تجربات جتنے بڑھتے جاتے ہیں ان کی حکمتیں اور زیادہ کھلتی جاتی ہیں۔

وہ خاموش پر امن سوداگر، جس نے کبھی تمام عمر تلوار نہ چلائی تھی، کبھی کوئی فوجی تربیت نہ پائی تھی، حتیٰ کہ جو عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ایک لڑائی میں محض ایک تماشائی کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ایک ایسا بہادر سپاہی بن گیا جس کا قدم سخت سے سخت معرکوں میں بھی اپنے مقام سے ایک اِنچ نہ ہٹا۔ ایسا زبردست جنرل بن گیا جس نے 9 سال کے اندر تمام ملک عرب فتح کر لیا۔ ایسا حیرت انگیز ملٹری لیڈر بن گیا کہ اس کی پیدا کی ہوئی فوجی تنظیم اور جنگی روح کے اثر سے بے سروسامان عربوں نے چند سال میں دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کو اُلٹ کر رکھ دیا۔

وہ الگ تھلگ رہنے والا سکون پسند انسان جس کے اندر کسی نے 40 برس تک سیاسی دلچسپی کی بو بھی نہ پائی تھی، یکا یک اتنا زبردست ریفارمر اور مدبّر بن کر ظاہر ہوا کہ 23 سال کے اندر اس نے 12 لاکھ مربع میل میں پھیلے ہوئے ریگستان کے منتشر، جنگجو، جاہل، سرکش، غیر متمدن اور ہمیشہ آپس میں لڑنے والے قبائل کو، ریل اور تار اور ریڈیو اور پریس کی مدد کے بغیر ایک مذہب ایک تہذیب، ایک قانون او ایک نظام حکومت کا تابع بنا دیا۔ اس نے ان کے خیالات بدل دیے۔ ان کے فضائل بدل دیے ان کے اخلاق بدل دیے۔ ان کی ناشائستگی کو اعلیٰ درجہ کی شائستگی میں، ان کی وحشت کو بہترین مدنیت میں، ان کی بدکرداری کو اور بداخلاقی کو صلاح وتقویٰ اور مکارم اخلاق میں، ان کی سرکشی اور انارکی کو انتہا درجہ کی پابندیٔ قانون اور اطاعتِ امر میں تبدیل کر دیا۔ اس بانجھ قوم کو جس کی گود میں صدیوں سے کوئی ایک بھی قابل ذکر انسان پیدا نہ ہوا تھا، اس نے ایسا مردم خیز بنایا کہ اس میں ہزار در ہزار اعاظم رجال اٹھ کھڑے ہوئے اور دنیا کو دین اور

اخلاق اور تہذیب کا درس دینے کے لئے چار دانگ عالم میں پھیل گئے اور یہ کام اس نے ظلم اور جبر اور دغا اور فریب سے انجام نہیں دیا بلکہ دل موہ لینے والے اخلاق اور روحوں مسخر کر لینے والی شرافت اور دماغوں پر قبضہ کر لینے والی تعلیم سے انجام دیا۔ اس نے اپنے اخلاق سے دشمنوں کو دوست بنایا۔ رحم اور شفقت سے دلوں کو موم کیا۔ عدل اور انصاف سے حکومت کی۔ حق اور صداقت سے کبھی یک سر مو انحراف نہ کیا۔ جنگ میں بھی کسی سے بد عہدی اور دغا نہ کیا۔ اپنے بد ترین دشمنوں پر بھی ظلم نہ کیا۔ جو اس کے خون کے پیاسے تھے، جنہوں نے اس کو پتھر مارے تھے، اس کو وطن سے نکالا تھا، اس کے خلاف تمام عرب کو کھڑا کر دیا۔ حتیٰ کہ جوش عداوت میں اس کے چچا کا کلیجہ تک نکال کر چبا ڈالا تھا، ان کو بھی اس نے فتح پا کر بخش دیا۔ اپنی ذات کے لئے کبھی اس نے کسی سے بدلہ نہ لیا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس کے ضبط نفس بلکہ بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ تمام ملک کا بادشاہ ہو گیا اس وقت بھی وہ جیسا فقیر پہلے تھا ویسا ہی فقیر رہا۔ پھونس کے چھپر میں رہتا تھا۔ بورئیے پر سوتا تھا موٹا جھوٹا پہنتا تھا۔ غریبوں کی سی غذا کھاتا تھا۔ فاقے تک کر گزرتا تھا۔ رات رات بھر اپنے اللہ کی عبادت میں کھڑا رہتا تھا۔ غریبوں اور مصیبت زدوں کی خدمت کرتا تھا۔ ایک مزدور کی طرح کام کرنے میں بھی اسے تامّل نہ تھا۔ آخر وقت تک اس کے اندر شاہانہ تمکنت اور امیرانہ ترفع اور بڑے آدمیوں کے سے تکبر کی ذرا سی بو بھی پیدا نہ ہوئی۔ وہ ایک عام آدمی کی طرح لوگوں سے ملتا تھا۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا تھا۔ عوام کے درمیان اس طرح بیٹھتا تھا کہ اجنبی آدمی کو یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا تھا کہ اس محفل میں قوم کا سردار ملک کا بادشاہ کون ہے۔ اتنا بڑا آدمی ہونے کے باوجود چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ کرتا تھا کہ گویا وہ اسی جیسا ایک انسان ہے۔ تمام عمر کی جدوجہد میں اس نے اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اپنا پورا ترکہ اپنی قوم پر وقف کر دیا اپنے پیروؤں پر اس نے اپنے یا اپنی اولاد کے کچھ بھی حقوق قائم نہ کیے۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد کو زکوۃ لینے کے حق سے بھی محروم کر دیا محض اس خوف سے کہ کہیں آگے چل کر اس کے پیرو اس کی اولاد ہی کو ساری زکوۃ نہ دینے لگ جائیں۔

ابھی اس عظیم الشان آدمی کے کمالات کی فہرست ختم نہیں ہوئی۔ اس کے مرتبہ کا صحیح

اندازہ کرنے کے لئے آپ کو تاریخ عالم پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈالنی چاہیے۔ آپ دیکھیں گے کہ صحرائے عرب کا یہ اَن پڑھ بادیہ نشین، جو چودہ سو برس پہلے اس تاریک دور میں پیدا ہوا تھا، دراصل دورِ جدید کا بانی اور تمام دنیا کا لیڈر ہے وہ نہ صرف ان کا لیڈر ہے جو اسے لیڈر مانتے ہیں، بلکہ ان کا بھی لیڈر ہے جو اسے نہیں مانتے۔ ان کو اس امر کا احساس تک نہیں کی جس کے خلاف وہ زبان کھولتے ہیں اس کی رہنمائی کس طرح ان کے خیالات میں، ان کے اصولِ حیات اور قوانین عمل میں اور ان کے عصرِ جدید کی روح میں پیوست ہوگئی ہے۔

یہی شخص ہے جس نے دنیا کے تصورات کا رُخ وہمیّت اور عجائب پرستی اور رہبانیت کی طرف سے ہٹا کر عقلیّت اور حقیقت پسندی اور متّقیانہ دنیا داری کی طرف پھیر دیا۔ اسی نے محسوس معجزے مانگنے والی دنیا میں عقلی معجزوں کو سمجھنے اور انہی کو معیارِ صداقت ماننے کا مذاق پیدا کیا۔ اسی نے خرقِ عادت میں اللہ کی قدرت کے اثار ڈھونڈنے والوں کی آنکھیں کھولی اور انھیں آثارِ فطرت (NATURAL PHENOMENA) میں اللہ کی نشانیاں دینے کا خوگر بنایا۔ اسی نے خیالی گھوڑے دوڑانے والوں کو قیاس آرائی (SPECULATION) سے ہٹا کر تعقل اور تفکر اور مشاہدہ اور تحقیق کے راستے پر لگایا۔ اسی نے عقل اور حس اور وِجدان کے امتیازی حدود انسان کو بتائے۔ مادیت اور روحانیت میں مناسبت پیدا کی۔ دین سے علم وعمل کا اور علم وعمل سے دین کا ربط قائم کیا۔ مذہب کی طاقت سے دنیا میں سائنٹفک اسپرٹ اور سائنٹفک اسپرٹ سے صحیح مذہبیت پیدا کی۔ اس نے شرک اور مخلوق پرستی کی بنیادوں کو اکھاڑا اور علم کی طاقت سے توحید کا اعتقاد ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم کیا کہ مشرکوں اور بت پرستوں کے مذہب بھی وحدانیت کا رنگ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی نے اخلاق اور روحانیت کے بنیادی تصورات کو بدلا۔ جو لوگ ترکِ دنیا اور نفس کُشی کو عین اخلاق سمجھتے تھے، جن کے نزدیک نفس اور جسم کے حقوق ادا کرنے اور دنیوی زندگی کے معاملات میں حصہ لینے کے ساتھ روحانی ترقی اور نجات ممکن ہی نہ تھی۔ ان کو اسی نے تمدن اور سماج اور دنیوی عمل کے اندر فضیلت اخلاق اور ارتقائے روحانی اور حصول نجات کا راستہ دکھایا۔ پھر وہی ہے جس نے انسان کو اس کی حقیقی قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ جو لوگ بھگوان اور اوتار اور ابن اللہ کے سوا کسی کو ہادی و رہنما تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے، ان کو اسی نے ہی بتایا کہ

انسان اور تمہارے ہی جیسا انسان آسمانی بادشاہت کا نمائندہ اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوسکتا ہے جو لوگ ہر طاقتور انسان کو اپنا اِلٰہ مانتے تھے ان کو اسی نے سمجھایا کہ انسان بجز انسان کے اور کچھ نہیں ہے نہ کوئی شخص تقدس اور حکمرانی اور آقائی کا پیدائشی حق لے کر آیا ہے اور نہ کسی پر ناپاکی اور محکومیت اور غلامی کا پیدائشی داغ لگا ہوا ہے۔ اسی تعلیم نے دنیا میں وحدتِ انسانی اور مساوات اور جمہوریت اور آزادی کے تخیلات پیدا کیے ہیں۔

تصورات سے آگے بڑھیے۔ آپ کو اس اُمّی کی لیڈرشپ کے عملی نتائج دنیا کے قوانین اور طریقوں اور معاملات میں اس کثرت سے نظر آئیں گے کہ ان کا شمار مشکل ہو جائے گا۔ اخلاق اور تہذیب شائستگی اور طہارت و نظافت کے کتنے ہی اصول ہیں جو اس کی تعلیم سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ معاشرت کے جو قوانین اس نے بنائے تھے، دنیا نے کس قدر ان کی خوشہ چینی کی اور اب تک کیے جا رہی ہے۔ معاشیات کے جو اصول اس نے سکھائے تھے ان سے دنیا میں کتنی تحریکیں پیدا ہوئیں اور اب تک پیدا ہوئے جا رہی ہیں حکومت کے جو طریقے اس نے اختیار کیے تھے، ان سے دنیا کے سیاسی نظریات میں کتنے انقلاب برپا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ عدل اور قانون کے جو اصول اس نے وضع کیے تھے انھوں نے دنیا کے عدالتی نظامات اور قانونی افکار کو کس قدر متاثر کیا اور اب تک ان کی تاثیر خاموشی کے ساتھ جاری ہے۔ جنگ اور صلح اور بین الاقوامی تعلقات کی تہذیب جس شخص نے عملاً دنیا میں قائم کی وہ دراصل یہی عرب کا اُمّی ہے، ورنہ پہلے دنیا اس سے ناواقف تھی کہ جنگ کی بھی کوئی تہذیب ہوسکتی ہے اور مختلف قوموں میں مشترک انسانیت کی بنیاد پر بھی معاملات ہونے ممکن ہیں۔

انسانی تاریخ کے منظر میں اس حیرت انگیز انسان کی بلند و بالا شخصیت اتنی ابھری ہوئی نظر آتی ہے کہ ابتداء سے لے کر اب تک کے بڑے سے بڑے تاریخی انسان جن کو دنیا اکابر (HEROES) میں شمار کرتی ہے جب اس کے مقابلے میں لائے جاتے ہیں تو اس کے سامنے بونے نظر آتے ہیں۔ دنیا کے اکابر میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے کمال کی چمک دمک انسانی زندگی کے ایک دو شعبوں سے آگے بڑھ سکی ہو۔ کوئی نظریات کا بادشاہ ہے مگر عملی قوت نہیں رکھتا۔ کوئی عمل کا پتلا ہے مگر فکر میں کمزور ہے۔ کسی کے کمالات سیاسی تدبیر تک محدود ہیں۔ کوئی محض فوجی

ذہانت کا مظہر ہے کسی کی نظر اجتماعی زندگی کے ایک پہلو پر اتنی زیادہ گہری جمی ہے کہ دوسرے پہلو اوجھل ہو گئے ہیں کسی نے اخلاق اور روحانیت کو لیا تو معیشت وسیاست کو بھلا دیا۔ کسی نے معیشت وسیاست کو لیا اور اخلاق وروحانیت کو نظر انداز کر دیا۔

عرض تاریخ میں ہر طرف یک رُخے ہیرو ہی نظر آتے ہیں۔ مگر تنہا یہی ایک شخصیت ایسی ہے جس میں تمام کمالات جمع ہیں۔ وہ خود ہی فلسفی اور حکیم بھی ہے اور خود ہی اپنے فلسفہ کو عملی زندگی میں نافذ کرنے والا بھی۔ وہ سیاسی مدبر بھی ہے فوجی لیڈر بھی ہے۔ واضع قانون بھی ہے، معلم اخلاق بھی ہے، مذہبی اور روحانی پیشوا بھی ہے اس کی نظر انسان کی پوری زندگی پر پھیلتی ہے اور چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات تک جاتی ہے۔ کھانے اور پینے کے آداب اور جسم کی صفائی کے طریقوں سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک ایک ایک چیز کے متعلق وہ احکام اور ہدایات دیتا ہے، اپنے نظریات کے مطابق ایک مستقل تہذیب (CIVILISATION) وجود میں لاکر دکھا دیتا ہے اور زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں میں ایسا صحیح توازن (EQUALLIBRIUM) قائم کرتا ہے کہ افراط وتفریط کا کہیں نشان تک نظر نہیں آتا۔ کیا کوئی دوسرا شخص اس جامعیت کا تمہاری نظر میں ہے؟۔

دنیا کی بڑی بڑی تاریخی شخصیتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو کم وبیش اپنے ماحول کی پیدا کردہ نہ ہو۔ مگر اس شخص کی شان سب سے نرالی ہے اس کے بنانے میں اس کے ماحول کا کوئی حصہ نہیں آتا اور نہ کسی دلیل سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ عرب کا ماحول اس وقت تاریخی طور پر ایسے ایک انسان کی پیدائش کا مقتضی تھا۔ بہت کھینچ تان کر تم جو کچھ کہہ سکتے ہو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا کہ تاریخی اسباب عرب میں ایک ایسے لیڈر کے ظہور کا تقاضا کرتے تھے جو قبائلی انتشار کو مٹا کر ایک قوم بناتا، اور ممالک کو فتح کر کے عربوں کی معاشی فلاح و بہبود کا سامان کرتا۔ یعنی ایک نیشنلسٹ لیڈر جو اس وقت کی تمام عربی خصوصیات کا حامل ہوتا ظلم، بے رحمی، خون ریزی، اور مکر و دغا غرض ہر ممکن تدبیر سے اپنی قوم کو خوش حال بناتا اور ایک سلطنت پیدا کر کے اپنے پسماندوں کے لئے چھوڑ جاتا۔ اس کے سوا اس وقت کی عربی تاریخ کا کوئی تقاضا تم ثابت نہیں کر سکتے۔

ہیگل کے فلسفہ تاریخ یا مارکس کی مادی تعبیر تاریخ کے نقطہ نظر سے تم حد سے حد یہی حکم لگا سکتے ہو کہ اس وقت اس ماحول میں ایک قوم اور ایک سلطنت بنانے والا ظاہر ہونا چاہیے تھا، یا ظاہر ہوسکتا تھا مگر ہیگلی یا مارکسی فلسفہ اس واقعہ کی توجیہ کیونکر کرے گا کہ اس وقت اس ماحول میں ایسا شخص پیدا ہوا جو بہترین اخلاق سکھانے والا، انسانیت کو سنوارنے اور نفوس کا تزکیہ کرنے والا اور جاہلیت کے اوہام وتعصّبات کو مٹانے والا تھا۔ جس کی نظر قوم اور نسل اور ملک کی حدیں توڑ کر پوری انسانیت پر پھیل گئی جس نے اپنی قوم کے لئے نہیں بلکہ عالم انسانی کے لئے ایک اخلاقی وروحانی اور تمدنی وسیاسی نظام کی بنا ڈالی۔ جس نے معاشی معاملات اور سیاست مدن اور بین الاقوامی تعلقات کو عالم خیال میں نہیں بلکہ عالم واقعہ میں اخلاقی بنیادوں پر قائم کر کے دکھایا اور روحانیت ومادیت کی ایسی معتدل اور متوازن آمیزش کی جو آج بھی حکمت ودانائی کا ویسا ہی شاہکار ہے جیسا اس وقت تھا۔ کیا ایسے شخص کو تم عرب جاہلیت کے ماحول کی پیداوار کہہ سکتے ہو؟۔

یہی نہیں کہ وہ شخص اپنے ماحول کی پیداوار نظر نہیں آتا، بلکہ جب ہم اس کے کارنامے پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہے۔ اس کی نظر وقت اور حالات کی بندشوں کو توڑتی ہوئی صدیوں اور ہزاروں (MILLENIUMS) کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے وہ انسان کو ہر زمانے اور ہر ماحول میں دیکھتا ہے اور اس کی زندگی کے لئے ایسی اخلاقی اور عملی ہدایات دیتا ہے جو ہر حال میں یکساں مناسبت کے ساتھ ٹھیک بیٹھتی ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کو تاریخ نے پرانا کر دیا ہے، جن کی تعریف صرف اس حیثیت سے کرسکتے ہیں کہ اپنے زمانے کے اچھے رہنما تھے۔ سب سے الگ اور سب سے ممتاز، وہ انسانیت کا ایسا رہنما ہے جو تاریخ کے ساتھ حرکت (MARCH) کرتا ہے اور ہر دور میں ویسا ہی جدید (MODERN) نظر آتا ہے جیسا اس سے پہلے دور کے لئے تھا۔

تم جن لوگوں کو فیاضی کے ساتھ ''تاریخ بنانے والے'' (MAKERS OF HISTORY) کا لقب دیتے ہو وہ حقیقت میں تاریخ کے بنائے ہوئے (CREATURES OF HISTORY) ہیں۔

دراصل تاریخ بنانے والا پوری انسانی تاریخ میں صرف یہی ایک شخص ہے، دنیا کے

جتنے لیڈروں نے تاریخ میں انقلاب برپا کیے ہیں ان کے حالات پر تحقیقی نگاہ ڈالو۔ تم دیکھو گے کہ ہر ایسے موقع پر پہلے سے انقلاب کے اسباب پیدا ہو رہے تھے اور وہ اسباب خود ہی اس انقلاب کا رخ اور راستہ بھی متعین کر رہے تھے جس کے برپا ہونے کے وہ مقتضی تھے۔ انقلابی لیڈر نے صرف اتنا کیا کہ حالات کے اقتضاء کو قوت سے فعل میں لانے کے لئے اس ایکٹر کا پارٹ ادا کر دیا جس کے لئے اسٹیج اور کام دونوں پہلے سے معین ہوں، مگر تاریخ بنانے والوں یا انقلاب برپا کرنے والوں کی پوری جماعت میں یہ اکیلا ایسا شخص ہے کہ جہاں انقلاب کے اسباب موجود نہ تھے۔ وہاں اس نے خود اسباب کو پیدا کیا، جہاں انقلاب کا مواد موجود نہ تھا وہاں اس نے خود مواد تیار کیا، جہاں اس انقلاب کی اسپرٹ اور عملی استعداد لوگوں میں نہ پائی جاتی تھی وہاں اس نے خود اپنے مطلب کے آدمی تیار کیے، اپنی زبردست شخصیت کو پگھلا کر ہزارہا انسانوں کے قالب میں اتار دیا اور ان کو ویسا بنایا جیسا وہ بنایا چاہتا تھا۔ اس کی طاقت اور قوت ارادی نے خود ہی انقلاب کا سامان کیا، خود ہی اس کی صورت اور نوعیت معین کی اور خود ہی اپنے ارادے کے زور سے حالات کی رفتار کو موڑ کر اس راستے پر چلایا جس پر وہ اسے چلانا چاہتا تھا۔ اس شان کا تاریخ ساز اور اس مرتبے کا انقلاب انگیز تم کو اور کہاں نظر آتا ہے؟

آیئے اب اس سوال پر غور کیجیے کہ 14 سو برس پہلے کی تاریک دنیا میں، عرب جیسے تاریک تر ملک کے ایک گوشہ میں ایک گلہ بانی اور سوداگری کرنے والے اَن پڑھ بادیہ نشین کے اندر یکا یک اتنا علم اتنی روشنی، اتنی طاقت، اتنے کمالات، اتنی زبردست تربیت یافتہ قوتیں پیدا ہو جانے کا کونسا ذریعہ تھا؟ آپ کہتے ہیں کہ یہ سب اس کے اپنے دل ودماغ کی پیداوار تھی میں کہتا ہوں کہ اگر یہ اسی کے دل ودماغ کی پیداوار تھیں تو اس کو الٰہ کا دعویٰ کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ ایسا دعویٰ کرتا تو وہ دنیا جس نے رام کو معبود بنا ڈالا، جس نے کرشن کو بھگوان قرار دینے میں تامل نہ کیا، جس نے بودھ کو خود بخود معبود بنا لیا، جس نے مسیح کو آپ اپنی مرضی سے ابن اللہ مان لیا، جس نے آگ اور پانی اور ہوا تک کو پوج ڈالا وہ ایسے زبردست باکمال شخص کو معبود مان لینے سے کبھی انکار نہ کرتی۔ مگر دیکھو، وہ خود کیا کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے کمالات میں سے ایک کا کریڈٹ بھی خود نہیں لیتا۔ کہتا ہے کہ میں ایک انسان ہوں، تمھیں جیسا انسان میرے پاس کچھ بھی اپنا نہیں۔ سب کچھ اللہ کا

ہے اور اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ یہ کلام جس کی نظیر لانے سے تمام نوع انسانی عاجز ہے میرا کلام نہیں ہے، میرے دماغ کی قابلیت کا نتیجہ نہیں ہے۔ لفظ بلفظ اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے اور اس کی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہ کارنامے جو میں نے دیکھائے، یہ قوانین جو میں نے وضع کیے، یہ اصول جو میں نے تمہیں سکھائے ان میں سے کوئی چیز بھی میں نے خود نہیں گھڑی ہے۔ میں کچھ بھی اپنی ذاتی قابلیت سے پیش کرنے پر قادر نہیں ہوں۔ ہر ہر چیز میں اللہ کی رہنمائی کا محتاج ہوں، ادھر سے جو اشارہ ہوتا ہے وہی کرتا ہوں اور وہی کہتا ہوں۔

دیکھو یہ کیسی حیرت انگیز صداقت ہے کیسی امانت اور راست بازی ہے جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لئے دوسروں کے ایسے کمالات کا کریڈٹ بھی لے لینے میں تامل نہیں کرتا جن کے اصل ماخذ کا پتہ بآسانی چل جاتا ہے لیکن یہ شخص ان کمالات کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرتا جن کو اگر وہ اپنے کمالات کہتا تو کوئی اس کو جھٹلا نہ سکتا تھا۔ کیونکہ کسی کے پاس ان کے اصلی ماخذ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ سچائی کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس شخص سے زیادہ سچا اور کون ہوگا جس کو ایک نہایت مخفی ذریعہ سے ایسے بے نظیر کمالات حاصل ہوں اور وہ بلا تکلف اپنے اصلی ماخذ کا حوالہ دے دے؟

بتاؤ کیا وجہ ہے کہ ہم اس کی تصدیق نہ کریں؟

(سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ ترجمان القرآن شوال 1355ھ / جنوری 1937ء)

سقوطِ خلافت

(28 رجب 1342ھ بمطابق 3 مارچ 1924ء)

کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں

ماہِ اکتوبر 2012ء کے شمارے میں 'حرفِ آرزو' کے تحت خلافت عثمانیہ کے ترکی سے خاتمے کا تذکرہ ہوا تھا۔ اُمت مسلمہ کے اجتماعی ضمیر کی ایک دبی ہوئی خواہش ہے کہ دنیا میں نظامِ خلافت کا احیاء کیا جائے۔

اُمت مسلمہ کی یہ خواہش عام دیگر انسانی خواہشات کے مشابہ کوئی نفسیاتی یا غیر مسلم اقوام کو ہٹا کر مسلمان نام کے کچھ دنیا پرست اور مغرب زدہ انسانوں کو اقتدار کے ایوانوں تک رسائی مل جانے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ خواہش یا آرزو ایک مقدس آرزو ہے جس کا نقش اوّل قرآن پاک (سورۃ النور: 24--56-57) میں ہے اور اسی کا عکس جمیل فرمان ہائے رسالت مآب ﷺ میں ہے۔ یہ آرزو پہلے حقیقت بنی خلافت راشدہ کے دوران اور اب بھی اس حقیقت کی ہلکی ہلکی حسین یادیں ایک سہانے خواب کی مانند ہر مسلمان کی لوحِ قلب پر نقش ہیں۔اس ضمن میں اُمت مسلمہ نے اجتماعی طور پر کیا قدم اُٹھائے ہیں اس کا تذکرہ حکمت بالغہ کے صفحات میں سلسلہ وار کریں گے۔ان شاءاللہ

(ادارہ)

سقوطِ خلافت کا واقعہ
اُمت مسلمہ کے لیے سانحہ کیوں تھا؟

انجینئر مختار فاروقی

01. سترہویں صدی عیسوی (1601ء تا 1700ء) خلافتِ عثمانیہ کے عروج کا دور تھا اور باقی دنیا میں بھی مسلمان حکومتیں اپنے پاؤں پر کھڑی تھیں اپنے معاملات خود چلا رہی تھیں اور ہر مسلمان ریاست چاہے بظاہر خودمختار اور علیحدہ تھی مگر اس کا تعلق بالواسطہ خلافت عثمانیہ سے ہی تھا اور ہر مسلمان ملک کا حکمران جب بدلتا تھا اور نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا تو اس کی اطلاع خلیفۂ وقت کو دی جاتی تھی اور نئے بادشاہ کی توثیق ہوتی تھی اور مسلمان اُمت ایک ملّی وحدت میں پروئی ہوئی تھی۔

یہ سلطنت سارے افریقہ، یورپ کا نصف مشرقی حصہ، روسی ترکستان، مشرق وسطی، جزیرہ نمائے عرب تک براہِ راست پھیلی ہوئی تھی اور اس کا کنٹرول تھا۔ ایران، افغانستان، ہندوستان، انڈونیشیا، ملائیشیا اور دیگر مسلمان حکومتیں بھی خلافت سے منسلک تھیں۔

02. ہر کمالے را زوال ـــــ اللہ تعالیٰ کا قوموں کے لئے بھی ایک قانونِ عروج وزوال ہے اور اس 'سنت اللہ' سے کسی اجتماعیت اور قوم کو کوئی مفر نہیں ہے نہ استثناء حاصل ہے۔ سلسلۂ انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد خود اُمت مسلمہ میں عروج وزوال اسی قانونِ الٰہی کے تحت آئے ہیں۔

ترکوں نے سلطان محمد فاتح کی زیرِ قیادت 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کیا تو یورپ میں اسلام کی ترویج کا راستہ کھل گیا اور اس طرح یورپ کی قسمت جاگ اُٹھی اور عہد جاہلیت

(DARK AGES) کا خاتمہ ممکن ہوسکا۔

1453ء میں مسلم افواج تیزی سے علاقے فتح کرتی ہوئیں فرانس کے قلب تک جا پہنچیں۔ 1500ء سے 1700ء تک سلطنت عثمانیہ کا دورِ عروج ہے اور اس سلطنت کے بارے میں یورپی موَرّخین بھی 'عظیم سلطنت عثمانیہ' (THE GREAT OTTAMAN EMPIRE) کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

1700ء کے قریب ہی اس سلطنت پر زوال کے آثار نمایاں ہو گئے اور آہستہ آہستہ سلطنت کا انتظام مشکل ہو گیا حکمران پہلے کی طرح بیدار مغز، مستعد، دین پر عمل کرنے والے نہ رہے، دینی تعلیمات میں کمزوری آ گئی۔ معاشرے میں دینی جذبات کی کمی اور روایت پرستی کی زیادتی کی وجہ سے معاشرتی بگاڑ پیدا ہو گیا۔

03. سلطنت عثمانیہ کے اس دورِ عروج میں ہی یورپ میں بیداری پیدا ہوئی۔ مغربی یورپ میں بنواُمیہ کی حکومت، جو طارق بن زیاد کی سپین آمد سے قائم ہوئی تھی، اب زوال پذیر تھی اور بالآخر 1492ء میں سقوطِ غرناطہ کا دل خراش سانحہ ہو گیا۔ یورپی مسیحی طاقتوں نے سپین کے مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے کہ اللہ کی پناہ! مسلمانوں کا قتل عام کیا، بعض کو جبراً عیسائی بنایا اور باقی مسلمانوں کو سپین سے نکال دیا اور سمندری جہازوں میں بھر بھر کے شمالی افریقہ کے ساحلوں پر اُتارا۔ ان کی جائیدادیں دبالیں اور یوں ظلم کی انتہا کر دی۔ مسلم اقتدار کے دوران جو ترقی ہوئی تھی اور تجرباتی علوم نے جمع و تدوین کے بعد ایک سائنس کی شکل اختیار کر لی تھی وہ مسیحی یورپین کے ہاتھ آ گئی جس سے فائدہ اُٹھا کر یورپ میں 'احیائے علوم' کی تحریک چلی اور دیکھتے ہی دیکھتے یورپ میں عام بیداری پیدا ہو گئی مگر اس بیداری نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا اور یہ بیداری صرف مسیحیوں تک ہی محدود رہی۔ مسلمان اس بیداری کے دور میں مسیحی مظالم کا شکار رہے۔

04. سلطنت عثمانیہ کے عروج کے دور میں ایک طرف یورپ میں سائنسی علوم نے ترقی کی اور اٹھارویں صدی تک مسیحی یورپ میں خوشحالی آ گئی اور صنعتی ایجادات کو فروغ حاصل ہوا جس سے یہ اقوام اپنے ملک سے نکل کر باقی دنیا میں اپنے تیار کردہ مال کی کھپت کے لئے منڈیوں کی تلاش میں لگ گئیں۔

دوسری طرف روس میں سائبیرین اقوام اور نویں صدی عیسوی میں جن قبائل نے یہودیت اختیار کر لی تھی اور موقع ملنے پر یورپ کا رُخ اختیار کر کے پورے یورپ میں پھیل گئے تھے، اب دوبارہ سر اُٹھا رہے تھے اور روس منظّم ہو رہا تھا۔ یورپ کی سائنسی ترقی کے اثرات تجارتی اور ثقافتی رابطوں کی وجہ سے روس میں بھی پھیل رہے تھے۔ روس نے سیاسی قوت حاصل کر کے سلطنت عثمانیہ کے بعض علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

یورپی اقوام میں فرانس، برطانیہ، پرتگال اور اٹلی کے لوگوں نے جب ملک سے باہر قدم رکھا تو راستے میں سلطنت عثمانیہ حائل تھی۔ افریقہ کا سارا شمالی اور مغربی ساحل سلطنت عثمانیہ کے پاس تھا۔ لہٰذا ان اقوام نے اوّلاً وہاں سے نکل کر دور دراز علاقوں کا رُخ کیا۔

برطانیہ کے لوگ مغرب کی طرف امریکہ تک جا نکلے۔ 1492ء میں ہی کولمبس نے امریکہ دریافت کر لیا۔ اس کے علاقے پر پرتگال نے قبضہ کر لیا اور آس پاس کے جزائر پر فرانس کے لوگ قابض ہوتے چلے گئے۔ 1498ء میں واسکوڈی گاما نے جنوبی افریقہ کا چکر کاٹ کر ہندوستان اور مشرق کا راستہ دریافت کر لیا تو حیرت ہے کہ فرانسیسی اور پرتگال کے لوگ انڈونیشیا، ملائیشیا اور مشرق بعید جا پہنچے۔ برطانیہ نے ہندوستان میں قدم جما لئے۔

05. یورپی طاقتوں نے مزید ترقی کی تو اُٹھارویں صدی میں افریقہ کے دور دراز کے عثمانی مقبوضات میں جنگیں شروع کر کے علاقے فتح کرنے لگے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے اختتام تک مغربی ساحلی علاقوں سمیت سارا افریقہ سلطنت عثمانیہ کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا اور یورپی اقوام نے قبضہ کر لیا تھا۔

مصر پر فرانسیسیوں نے قبضہ کر لیا اور لیبیا پر اٹلی نے۔ برطانیہ نے اسی دور میں 1753ء میں بنگال پر قبضہ کیا۔ 1799ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت ہے اور 1802ء میں انگریز دہلی پر قابض ہو چکے تھے۔ 1846ء میں مختلف ریاستوں کو بھی مفتوح کر کے پنجاب سمیت سارے جنوبی ہند پر برطانیہ قابض ہو گیا۔

برطانیہ نے 1813ء کی مشہور واٹرلو (WATER LOO) کی لڑائی میں فرانس کو شکست دے کر مصر پر قبضہ کر لیا اور اس طرح 1860ء میں نہر سویز بنالی، جس سے انگریز کو

ہندوستان اور مشرقِ بعید تک پہنچنے کا آسان راستہ مل گیا۔ اسی دوران عرب کے ساحلی علاقوں (بحرین، قطر، خلیج، فارس وغیرہ) پر بھی انگریزوں کا اثر ورسوخ بڑھ گیا۔ اسی دور کے حالات میں علامہ اقبال نے ترکی کو یورپ کا مردِ بیمار کہا ہے۔ مشرقِ وسطی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد سارے علاقے خودمختار ریاستوں میں بدل گئے اور حرمین شریفین کو پہلے خلافت عثمانیہ سے علیحدہ کیا گیا اور پھر آلِ سعود نے 1926ء میں فتح کرلیا۔ اس طرح 1918ء میں جنگ عظیم اوّل کے بعد سارا مشرقی یورپ اور مشرقِ وسطی کے علاقے سلطنت عثمانیہ سے کاٹ کر یورپی طاقتوں نے خود بانٹ لئے اور 1917ء کے اعلان بالفور کے تحت فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کی اجازت دے دی۔

06. سلطان عبدالحمید کو 1909ء میں علیحدہ کردیا گیا تھا۔ پہلے جمہوری بادشاہت قائم کی گئی اور جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ جرمنی ہار گیا تو لازماً اس کے اثرات ترکی پر بھی پڑے۔ لہٰذا 1924ء میں مصطفیٰ اتاترک کو حکمرانی دے دی گئی جس نے برطانوی سامراج اور صہیونیت کے زیر اثر پہلے خلافت کا خاتمہ کردیا۔ پھر اسلامی قوانین بھی ختم کردیے۔ ملک کو سیکولر ریاست بنا کر رومن لاء نافذ کردیا۔ اسلامی شعائر (نماز، روزہ، مساجد وغیرہ) پر پابندی لگادی گئی۔

اس طرح وہ اسلامی خلافت جس کا آغاز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے سے جون 632ء میں ہوا تھا وہ تیرہ صدیوں بعد استنبول میں آکر ختم ہوگئی۔

خلافت اِسلامیہ سے مراد کیا ہے؟

خلافت اسلامیہ کے خاتمے اور اسلامی شریعت کی منسوخی کے بعد سیکولر ریاست کا قیام اور رومن لاء کے نفاذ سے اُمت مسلمہ کے مستقبل پر کیا اثرات پڑے؟ یہ ایک خوفناک اور اَلمناک داستان ہے جس کا تذکرہ بھی بڑا دل ہلا دینے والا ہے۔ یہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی یا چہروں کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ ملت اسلامیہ کے سیاسی وجود کے لئے ایک جوہری تبدیلی یا عام فہم اصطلاح میں کیمیائی تبدیلی (CHEMICAL CHANGE) تھی نہ کہ سطحی یا طبعیاتی تبدیلی (PHYSICAL CHANGE) اس تبدیلی سے ملت اسلامیہ کا سیاسی جسد اتنا کمزور ہوگیا کہ

اس میں بیماریوں کے جراثیم کے حملہ کے جواب میں قوتِ مزاحمت ختم ہوگئی اور مغربی نظریات کی یلغار کے سامنے ڈٹے رہنے کا جذبہ اور داعیہ یا اُمنگ ہی مفقود ہوگئی۔

خلافت اسلامیہ کے خاتمے سے عالم اسلام میں ایک طرف یورپی اقوام سے نفرت اور دوسری طرف مایوسی کی لہر دوڑ گئی عالم عرب میں اس سقوطِ خلافت کے واقعہ پر کوئی ملال یا رَدِّعمل نہیں ہوا۔ یہ رَدِّعمل صرف برطانوی ہند میں ہوا اور بڑا شدید ہوا۔

اس شدید ردّ کی اصل وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمانوں کی اچھی بھلی حکومت تھی یورپی طاقتوں نے علاقے چھین لئے اور مسلم اقتدار کو نقصان پہنچایا بلکہ اصل وجہ یہ تھی اسلام کی آفاقی تعلیمات انسانیت کے لئے بھلائی کا موجب تھیں جس میں سیاسی، معاشی اور سماجی ہر سطح پر انصاف اور عدل کو معیار سمجھا جاتا تھا اور استحصال کے دروازے مستقلاً بند تھے۔ اب سقوطِ خلافت کے بعد جو نیا نظام نافذ کیا گیا اور جس کا دو صدیوں سے یورپ میں تجربہ ہو چکا تھا وہ نظام بڑا ظالمانہ، استحصالی اور سرمایہ دارانہ نظام تھا جس میں عام انسان کی حیثیت ڈھور ڈنگروں سے زیادہ نہیں تھی۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد 'بندۂ مزدور' کے اوقات بہت ہی تلخ تھے۔ مسلمانوں میں خلافت کے خاتمہ پر صدمے کی اصل وجہ ایک عادلانہ نظام کا خاتمہ تھا اور اس کی جگہ ایک استحصالی نظام کا نفاذ تھا۔ برطانوی ہند میں مسلمان اس استحصالی اور ظالمانہ نظام کے ابلیسی اثرات کا بچشم سر مشاہد کر رہے تھے اور ان حالات میں سے گزر رہے تھے۔ لہٰذا یہ رَدِّعمل بھی شدید تھا۔

خلافت کی خصوصیات

- **سود کی ممانعت:** خلافت اسلامیہ میں اسلام کے بنیادی معاشی اُصول ہی کارفرما ہوتے ہیں جس میں حکم الٰہی کے مطابق سود کی سخت ممانعت ہے یعنی صرف پیسہ سے پیسہ نہیں کمایا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ محنت اور نفع نقصان کا RISK ہو تو تجارت ہے۔
- **جوا کی ممانعت:** معاشی میدان میں جوا کو (CHANCE MONEY) بھی اسلام میں ممنوع (حرام) قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا نظام خلافت میں کسی بھی سطح پر جوا نہیں ہو سکتا۔
- **مساواتِ انسانی** سماجی سطح پر انسانی مساوات اسلام کا ایک زریں اُصول ہے لہٰذا اس اُصول کے تحت بہت سارے اقدامات سے معاشرے میں صحت مند روایات جنم لیتی ہیں

اورعورت اور مرد دونوں مل کر خوشی خوشی اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے حقوق سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور ہر شہری کو معاشرتی سکون ملتا ہے۔

- **انصاف کی فراہمی:** باہمی مناقشات اور جھگڑوں نیز باحیثیت لوگوں کا عوام (کمزوروں) پر دست درازی اور ان کے حقوق کو غصب کرنا جیسے امور کا خاتمہ............انصاف کی جلد اور بروقت فراہمی سے ہی ممکن ہے۔ اسلام نے انصاف پر زور دیا ہے اور مقدمے کے فیصلے تک مدعی اور مدعا علیہ سے برابر کا سلوک روا رکھا ہے۔ عدالتی اخراجات بھی صرف معمولی ہوں جو ہر شخص ادا کر سکے۔ انصاف میں تاخیر ــــــ انصاف کا گلا گھونٹے کے برابر ہوتی ہے لہٰذا اسلام نے انصاف کی فوری فراہمی کا اُصول اپنایا ہے تا کہ فوری میسّر ہو سکے۔ انصاف کے نقطہ نظر سے اسلام نے حکمران (بادشاہ یا صدر) کو بھی عام انسان کے برابر کر دیا ہے۔

- **عورت کو جائیداد رکھنے کا حق:** اسلام نے (گھر چلانے کے لیے بنیادی طور پر مرد کو ذمہ دار بنایا ہے تاہم) چودہ صدیاں پہلے ہی عورت کو جائیداد رکھنے، کاروبار کرنے اور معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے حقوق دیے ہیں۔ یورپ نے یہ حقوق بیسویں صدی میں آ کر فراہم کیے ہیں، جبکہ مسلمان عورت کو یہ حقوق صدیوں پہلے سے حاصل رہے ہیں اسی لئے مسلمان عورت معاشرے میں پرسکون زندگی بسر کرتی رہی ہے۔

- **عورت اور مرد کے دائرۂ کار کی علیحدگی:** عورت اور مرد کی قوتِ کار اور ذمہ داریوں کا واضح فرق دونوں کی جسمانی بناوٹ سے ظاہر ہے اور دنیا میں فطری طور پر عورت اور مرد کے دائرہ کار مختلف ہیں اور ہر معاشرے میں زمانہ قدیم سے ہی اس پر کسی حد تک عمل درآمد ہوتا آ رہا ہے۔ تاہم تمدن، تہذیب، علم اور ترقی کے ساتھ معاشی آسودگی میں قدم رکھتے ہی مرد ــــــ نے اپنی من مانی کرتے ہوئے عورت کو اپنی ذمہ داریوں سے نکال کر اُسے ناچنے گانے، مردوں کی محفلوں کی زینت بن کر اور ان کے لئے تفریح طبع کا سامان (ENTERTAINMENT) فراہم کرنے میں لگا دیا ہے۔ اس کے لئے عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے پر زور دیا گیا اور انسانی حیثیت میں مساواتِ مرد و زن کے نعرہ کو غلط رنگ دے کر ذمہ داریوں میں بھی برابری کا تصور دیا گیا حتیٰ کہ معاشی جدوجہد میں بھی مرد کی طرح عورتوں کو بھی 'کمانے' کا تصور دیا گیا۔

تاریخ میں جب بھی اور جس معاشرے نے بھی اس تصور کو اپنایا ہے وہ معاشرہ گوں ناگوں معاشرتی اور اخلاقی خرابیوں میں پڑ گیا اور بالآخر اس دنیا کے کائناتی اُصولوں اور خالق کائنات کے مضبوط ضابطوں سے انحراف اور ٹکراؤ کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے یا مٹادیے گئے۔

اسلام نے انسانی شرف ووقار میں مرد وزن کی مساوات کے اُصول پر زور دینے کے باوجود دنیا میں مرد وزن کے دائرۂ کار میں فرق کیا ہے اور عورتوں کے لئے کچھ شعبے متعین کر دیے ہیں جب کہ مرد کے لئے علیحدہ شعبے۔ اس ضمن میں تاکید مزید کے لئے عورتوں اور مردوں کے ناگزیر لباس کو بھی متعین کر دیا ہے اور ستر وحجاب کے احکام دیے ہیں جو انسانی تاریخ میں ترقی یافتہ معاشروں کے لئے انہونی بات ہے۔

انسانی معاشرت کے لئے اور فلاحِ نسل انسانی کے لئے جب عورتوں اور مردوں کے دائرہ کار الگ متعین ہو گئے تو مردوں اور عورتوں کے معاشرتی اتصال کا مرکز 'گھر' اور چار دیواری قرار پایا۔ اسی لئے اسلام نے نکاح کے لئے کچھ رشتے محرم قرار دے کر حرام قرار دیے کہ جہاں شادی کا تصور ہی گناہ ہے یہ گھر کا پاکیزہ ماحول ہے جو اسلام نے دیا ہے کہ ایک جگہ ہر انسان کے لئے ایسی ہو جہاں میاں بیوی اور اولاد ہو یا قریبی خاندانی محرم لوگ جہاں عورتیں مرد اکٹھے ایک احاطہ میں رہتے ہوئے پاکیزہ خیالات اور سوچ کے ساتھ ایک دوسرے کے بارے میں صنفی اور جنسی خیالات سے مبرا اور بلند ہو کر زیادہ وقت گزاریں۔ یہ ماحول نئی نسل کی پرورش و پرداخت اور صحیح خطوط پر اُٹھان کے لئے فطری نرسری اور نظریاتی سکول کا کام دیتا ہے۔

- **کفالت عامہ:** نظامِ خلافت میں معاشرے کے کمزور طبقات اور معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے یتیم، بیوائیں، معذور اور اپاہج افراد سمیت بے روزگار افراد کی کفالت کے لئے ہر شہری (مسلم ہو یا غیر مسلم) کے لئے حکومت کی طرف سے کفالت کا اجراء ہے۔ جس سے یہ انسان بھوکا نہیں رہے گا اور معذور شخص کے اہل خانہ اور اولاد بھی دنیا کی بھاگ دوڑ میں صحت مند بنیادوں پر پروان چڑھ کر شریک ہو سکے گی۔

کفالت عامہ کے اسی تصور کے تحت اسلام نے حکومت کی حدود میں تمام شہریوں کی

دیکھ بھال کے لئے پانچ چیزوں کی ذمہ داری لی ہے۔ جو شہری خود کما کر اپنی معیشت کا انتظام کر رہا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہے اس کے علاوہ جو شہری بے روزگار ہو یا کسی وجہ سے جزوی یا کلی اور عارضی اور مستقل طور پر معاش کمانے کے اہل نہ رہا ہو ـــــ اس کے لئے

☆ مکان ☆ لباس ☆ روٹی (نان نفقہ)

☆ (ایک حد تک) تعلیم اور ـــــ ☆ علاج معالجہ

کی ذمہ داری نظامِ خلافت کے تحت حکومت ہو گی۔

● **نظامِ زکوٰۃ اور عشر:** کفالت عامہ کے لئے وسائل کی فراہمی کے لئے اسلام نے اہل ثروت حضرات سے بچتوں اور اثاثوں پر زکوٰۃ کا نظام نافذ کیا ہے اور ایک قسم کی زمینی ملکیت پر فصلوں پر عشر (10%) یا نصف عشر (5%) ٹیکس لگایا ہے۔

اس طرح کثیر مقدار میں وسائل فراہم ہوتے ہیں کہ نظامِ خلافت کے تحت آنے والے لوگوں کے لئے کفالت کا اہتمام ہو سکے۔

● **غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ:** نظامِ خلافت نے عوام کے استحصال کے ایک بہت بڑے ہتھیار ـــــ غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ کر دیا ہے اور 'نقد' رقم پر اضافہ کو جیسے سود قرار دیا ہے اسی طرح جائز ناجائز طریقہ سے حاصل کردہ زمینی رقبہ (قابل کاشت زرعی رقبہ جات، قیمتی معدنیات کی کانیں وغیرہ) پر کئی قسم کی قدغنیں لگائی ہیں۔ اسی ضمن میں بعض زمینوں (رقبہ جات) کو خراجی قرار دیا ہے جو علاقے تاریخ میں مسلمان افواج نے فتح کیے ہیں وہ سب (عشری نہیں) خراجی رقبے ہیں حکومت کی براہِ راست ملکیت ہیں اور شہریوں کو معینہ مدت پر LEASE پر دیے جاتے ہیں تاکہ جمہور عوام کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

علی ہذا القیاس نظامِ خلافت کے ذریعے عوام کے مشورے سے حکمرانوں کا انتخاب، اہل افراد کو ذمہ داریاں سپرد کرنا، معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کے لئے کئی ایک طرح پر دولت کمانے پر پابندی لگائی ہے اور کئی قسم کے کاروباروں کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر حلال مال و دولت کے خرچ کرنے پر بھی کئی طرح کی پابندیاں عائد کی ہیں۔ منشیات کی فروخت، ملاوٹ، دھوکا، فراڈ، دوسروں کی حق تلفی جیسے جرائم کی سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ صحت مند معاشرے کے

قیام کے لئے بدکاری، بے حیائی، ناچنے گانے، مخلوط معاشرت اور مخلوط تعلیم پر پابندی لگائی ہے۔

یہ نظامِ خلافت ہر معقول انسان (عورت ہو یا مرد) کے دل کی آرزو اور آواز ہے۔ بالخصوص معاشرے کے کمزور طبقات کی تمنا اور آرزو یہی اقدار ہیں جو اسلام کے اس نظام میں ہیں۔ یہ نظام خلافت راشدہ کے وقت قائم ہوا اور مختلف نشیب و فراز سے گزر کر تیرہ صدیوں بعد 1342ھ میں ترکی میں آ کر ختم ہو گیا۔ ہمیں تسلیم ہے کہ اس دوران مسلمان بادشاہوں نے بھی اس ضمن میں غلطیاں کی ہیں اور اس عادلانہ نظام کو اپنے باغیانہ عمل سے سبوتاژ کیا ہے تاہم مجموعی طور سقوطِ خلافت کے وقت بھی مسلم معاشرے کے افراد آج کے ترقی یافتہ معاشرے کے افراد سے کہیں زیادہ سکون، اطمینان کے ساتھ اعلیٰ اقدار کے جلو میں زندگی گزار رہے تھے۔

سقوطِ خلافت ــــ ایک سانحہ

اس عوام دوست، اخلاق دوست، انسان دوست حتیٰ کہ حیوان دوست نظام کو جن قوتوں نے ختم کیا اور اس کی جگہ چند خاندانوں کو فائدہ دینے والا استحصالی نظام اور قانون نافذ کر دیا ــــ اُنہوں نے یقیناً بنی نوعِ انسان پر (بلالحاظ مذہب وملت) بڑا ظلم کیا۔ ان کا یہ عمل انسانیت کو آگ کے آلاؤ میں ڈالنے والی بات تھی۔

لہٰذا بجا طور پر اس سانحہ پر افسوس کیا گیا۔ بالخصوص مسلمانانِ ہند (برطانوی ہند) نے انگریز اور مغربی ظالمانہ استعمار کی غلامی کے باوجود ایسا احتجاج کیا کہ ــــ اس وقت کی عالمی طاقت جس کی حکومت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، کی طاقت اور گرفت کو ہلا کر رکھ دیا۔

سقوطِ خلافت سے انسانیت نہ صرف ایک انسان دوست عادلانہ سماجی معاشی سیاسی نظام سے محروم ہو گئی بلکہ مستبدّ اور سامراجی قوتوں نے آج تک ہر اس آواز کو بھی دبانے اور اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی ہے جو اس نظام کے حق میں کسی انسان نے نکالنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت کی مغربی دنیا اسلام کے خلاف جس صلیبی جنگ میں ہمہ تن منہمک ہے اس کا آغاز تین صدیاں قبل خلافت عثمانیہ کے خلاف ریشہ دوانیوں اور زیرِ زمین سازشوں سے ہی شروع ہوا تھا اور سقوطِ خلافت کے بعد بھی یہ صلیبی جنگ جاری ہے اور آج اس انسان دوست نظام کے حق میں بولنے والے ہر انسان (مسلمان) کو 'دہشت گرد' قرار دے دیا گیا ہے؛

اس لئے کہ آج کا مغربی نظام چند صہیونیت کے پرستار خاندانوں، اُن کے چہیتوں اور سرپرستوں کے مالی مفادات کے ذرائع کے تحفظ کا دوسرا نام ہے۔

سقوطِ خلافت کے بعد مسلم دنیا میں اس کا رَدِّعمل کیا ہوا؟ اور اس بابرکت نظام کو دوبارہ نافذ کرنے کے لئے مسلمانوں نے کیا کیا اقدامات کیے ہیں اور اس کام کے لئے فکری اور عملی سطح پر کتنا کام ہوا ہے اس کا جائزہ آئندہ کئی اقساط میں ان صفحات میں ہوگا۔ ان شاء اللہ

سیرتِ نبوی ﷺ ماہ وسال کے آئینہ میں

ولادت نبی ﷺ:	9ربیع الاول،1عام الفیل،مطابق 22اپریل571ءبروز دوشنبہ
بعثت نبوی ﷺ:	9ربیع الاول41ولادت نبوی،12فروری،610ءبروز دوشنبہ
معراج:	27رجب،10نبوت،.............................بروز دوشنبہ
ہجرت:	27صفر،13نبوت،مطابق12ستمبر622ء بروز چہارشنبہ
غارِثور سے روانگی:	یکم ربیع الاول13نبوت،مطابق16ستمبر622ءدوشنبہ
مدینے میں آمد:	12ربیع الاول1ھ مطابق 27 ستمبر622ءبروز جمعہ
غزوۂ بدر:	17رمضان2ھ،مطابق16مارچ624ءبروز شنبہ
غزوۂ اُحد:	6شوال،3ھ، مطابق21مارچ625ءبروز شنبہ
غزوۂ احزاب:	28شوال،5ھ،مطابق 23مارچ627ء
صلح حدیبیہ:	ذی القعدہ،6ھ،مطابق628ء
سلاطین کے نام خطوط:	یکم محرم،7ھ،مطابق 14 مئی628ءبروز چہارشنبہ
غزوۂ خیبر:	آخر محرم،7ھ،مطابق جون628ء
عمرۃ القضاء:	ذی القعدہ،7ھ،مطابق629ء
فتح مکہ:	20رمضان،8ھ،مطابق12جنوری630ءبروز پنجشنبہ
غزوہ حنین:	11شوال،8ھ،مطابق یکم فروری630ءبروز چہارشنبہ
غزوہ طائف:	13شوال،8ھ،مطابق3فروری630ءبروز جمعہ
غزوہ تبوک:	رجب تا رمضان،9ھ،مطابق اکتوبر/دسمبر630ء
حجۃ الوداع:	9ذی الحجہ،10ھ،مطابق9مارچ631ءبروز جمعہ
وصال:	12ربیع الاول،11ھ/8جون632ءبروز دوشنبہ

(ماخوذ از شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا)

تین عالمی طاقتوں کا زوال

ضمیر اختر خان

اس وقت امت مسلمہ بالعموم اور ملت اسلامیہ پاکستان بالخصوص جن دگرگوں حالات سے دوچار ہیں وہ باشعور مسلمانوں کو پریشان کررہے ہیں۔ایسے میں اگر کوئی اُمید افزا بات کرے اور وہ حقیقت بھی ہو تو لوگوں کو مایوسیوں سے بچا کر آمادہ عمل کیا جاسکتا ہے۔اگر مسلمانوں کی گزشتہ ایک صدی کے حالات وواقعات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اتار چڑھاؤ کے باوجود اندھیر نہیں ہے۔ان سطور کے ذریعے ہم اہل پاکستان کو 1910ء سے 2010ء کے دوران حاصل ہونے والی عظیم کامیابیوں کے بارے میں آگاہ کریں گے جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اپنے مستقبل کی نقشہ گری اعتماد کے ساتھ کرسکیں گے۔اس موضوع پر مفصل بحث ماہنامہ 'حکمت بالغہ' جھنگ کے مدیر مسئول انجینئر مختار فاروقی نے اپنی تالیف ''جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سو(100) سال'' میں بڑی عمدگی سے کی ہے۔کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔ہر پڑھے لکھے پاکستانی مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ہم اس تالیف سے استفادہ کرتے ہوئے قارئین کی توجہ کے لیے یہ سطور پیش کررہے ہیں کہ شاید کسی کے دل میں اس کتاب کو پڑھنے کا داعیہ پیدا ہوجائے۔کتاب کے حصول کے لیے فون نمبر 047-7630861 پر رابطہ کیجیے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ گزشتہ سو(100) سالوں کا جائزہ لینے سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ یہ جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کی صدی ہے۔اس میں ایک طرف مسلمان آزادی جیسی نعمت کے

حصول میں کامیاب ہوئے تو دوسری طرف تین عظیم عالمی طاقتوں کے زوال کا باعث بھی بنے۔ مسلمان جب اپنے عالمی مشن (جی ہاں! مسلمانوں کو اللہ نے عالمی مشن سونپا ہے۔ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ ۔آل عمران:110) کے تحت بحیرۂ عرب کے ساحل پر راجہ داہر نامی ایک ظالم کی سرکوبی کے لیے اترے تھے، تو یہ ان کے برعظیم پاک و ہند میں اقتدار کا آغاز تھا۔ پھر صدیوں یہاں پر حکمران رہے۔ سوائے اورنگزیب عالمگیر جیسے نیک دل بادشاہ کے باقی نام کے ہی مسلمان تھے مگر اپنے عرصۂ حکمرانی میں انہوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ ہمیشہ رواداری برتی اور کبھی اسلام جبراً ان پر نہیں ٹھونسا۔ یہ اسلام ہی ہے جو غیر مسلموں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ 1857ء میں جب سات سمندر پار سے آئی ہوئی سفید فام قوم نے انتہائی چالاکی و مکاری سے انہیں تخت دہلی سے بے دخل کیا تو وہ عددی اعتبار سے غیر مسلم قوم (ہندو) کے مقابلے میں اقلیت میں تھے۔ برطانوی استعمار تجارت کے پردے میں ہندوستان آیا تھا اور بالآخر پورے برعظیم کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ ہندوؤں کے لیے یہ صرف آقاؤں کی تبدیلی کا معاملہ تھا لہٰذا انہیں انگریزوں کے اقتدار کو قبول کرنے میں کوئی مسئلہ نہ تھا البتہ مسلمانوں کے لیے یہ غلامی قابل قبول نہیں تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کے اندر غلامی کے خلاف نفرت کی چنگاری سلگتی رہی اور بیسویں صدی کے آغاز سے اس میں ہلکی آنچ کی طرح گرمی کے آثار نظر آنا شروع ہوئے۔ 1906ء میں مسلمانوں نے اپنی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے قائم کر لی۔ یوں جس سفر کا آغاز بالکل دھیمے انداز سے ہوا تھا اس میں علامہ اقبال کے 1930ء کے خطبۂ الٰہ آباد کے بعد تیزی آنا شروع ہوئی اور اگلے سترہ (17) برس میں کلمۂ طیبہ **لاالٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ** کی برکت سے مسلمانان برعظیم کی کوششیں رنگ لائیں اور مدینہ طیبہ کے بعد دوسری اور سب سے بڑی ریاست اسلام کے نام پر 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی۔ تقسیم ہند کا اصل سبب مسلمانوں کی یہی جدوجہد آزادی بنی تھی جس کا اعتراف برطانوی حکومت کے وزیر اعظم مسٹر جیمز رامزے میکڈونلڈ نے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ''تقسیم ہند نہ برطانیہ کا منصوبہ تھا اور نہ ہندو کی خواہش بلکہ صرف اور صرف علامہ اقبال کے افکار کا نتیجہ تھا'' (ٹائم میگزین اگست 2007ء)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں مسلمانوں کے ہر طبقۂ فکر کی محنت شامل ہے مگر

اس محنت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں نمایاں کردار علامہ اقبال اور قائداعظم کا ہے۔ قیامِ پاکستان برطانوی استعمار کے نہ صرف جنوبی ایشیا سے خاتمے کا سبب بنا بلکہ جہاں بھی اس ناسور نے اپنے پنجے گاڑے تھے وہاں سے اسے رخصت ہونا پڑا اور جس کے اوپر سے سورج غروب نہیں ہوتا تھا وہ سورج سے محروم جزائر برطانیہ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ چونکہ اس کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں تھی اس لیے اس کی بجائے یہود نے اپنا مہرہ امریکہ کی صورت میں تلاش کر لیا۔ اس طرح مسلمانانِ برعظیم کی کوششوں سے دنیا کی ایک عظیم طاقت جسے برطانیہ عظمیٰ کہا جاتا تھا وہ تو زوال سے دوچار ہوئی اور مختلف مسلم ممالک آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے مگر امریکہ کی شکل میں ایک اور استعمار دنیا کے لیے خطرہ بن کر سامنے آیا۔ اس کی بنیاد سرمایہ داری نظام پر ہے چنانچہ اس کا ردعمل مشرق میں روسی استعمار کی صورت میں ابھرا۔ ایک عالمی طاقت تو رخصت ہوئی لیکن امریکہ اور روس دو بڑی بڑی عالمی طاقتیں بن کر دنیا میں من مانی کرنے لگیں۔ ان دونوں کو اصل خطرہ اسلام ہی سے تھا اس لیے ان کی چیرہ دستیاں بھی مسلمانوں کے خلاف بروئے کار آئیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہی ان دونوں نے اپنی ایجنسیوں کے ذریعے اس نوزائیدہ ملک میں اپنا اثر ونفوذ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ تمام تر خلوص کے باوجود ہمارے حکمرانوں کا روسی ملحدوں (AGNOSTECS) کے مقابلے میں امریکی لادینوں (SECULARISTS) کی طرف جھکاؤ کی صورت میں نکلا جو کہ بہت بڑی غلطی تھی۔ مسلمانوں کا تو کافروں کے ساتھ دوستی کا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کافر چاہے نام نہاد اہل کتاب ہوں یا دوسرے مشرک و کفار ہوں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہماری خارجہ پالیسی کا محور مسلم دنیا ہوتی جس کے ساتھ ہم اپنے تعلقات استوار کرتے اور مسلم بلاک کے وجود میں آنے کا سبب بنتے لیکن ہم امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن کر رہ گئے۔ اس پر ملحد روسی بھی ہمارے خلاف ہو گئے چنانچہ انہوں نے افغانیوں کو ہمارے خلاف کھڑا کر دیا۔ 1979ء میں روس خود افغانستان میں داخل ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ افغانستان کو فتح کرتا ہوا اور پاکستان کو روندتا ہوا گرم پانیوں تک پہنچ جائے گا لیکن افغانیوں کی جرأت اور پاکستان کی حمایت نے USSR کو شکست فاش سے دوچار کیا اور یوں مسلمانوں کے ہاتھوں دوسری عالمی طاقت ختم ہو گئی۔ وسطی ایشیا کی کئی ریاستیں USSR کی تحلیل کے بعد آزاد ہوئیں جن میں

اکثر ریاستیں مسلمان ہیں۔الحمدللہ یہ مسلم ریاستیں آہستہ آہستہ اپنا اسلامی تشخص بحال کر رہی ہیں۔سوویت ملحدوں نے قبضے کے دوران ان کی شناخت مٹانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔سوویت یونین کے زوال کے بعد مسلمانان پاکستان کو،جن کی حیثیت اب جنوبی ایشیا کے تمام مسلمانوں کے سرخیل کی ہے،واحد عالمی طاقت امریکہ کا سامنا کرنا پڑا۔ادھر پڑوسی برادر ملک افغانستان میں طالبان نے امارت اسلامی قائم کردی جس کو پاکستان نے سب سے پہلے تسلیم کیا اس کے بعد سعودی عرب نے بھی تسلیم کرلیا۔امریکی استعمار کا خیال تھا کہ افغان آپس میں لڑتے رہیں گے لیکن اس کی توقع کے برعکس طالبان نے پورے افغانستان پر نہ صرف کنٹرول حاصل کرلیا بلکہ شریعت اسلامی کا نفاذ بھی شروع کردیا۔شریعت حقہ کی برکات سامنے آنا شروع ہوئیں تو امریکی استعمار کو تشویش لاحق ہوئی اور اس ابلیسی ایجنٹ کو خطرہ محسوس ہوا کہ ''ہو نہ جائے شرع پیغمبرؐ آشکارا کہیں''۔ چنانچہ بڑی گہری سازش کے تحت2001ء میں TWIN TOWERS کو گرانے کا ڈرامہ رچایا گیا اور الزام طالبان پر دھرلیا اور مغربی کفریہ طاقتوں کو اکٹھا کر کے افغانستان پر چڑھائی کردی۔گزشتہ دس برس سے یہ اپنی MILITARY MIGHT کے باوجود نہتے افغانیوں کے مقابلے میں مسلسل ناکامیوں کے بعد بدحواس ہو چکا ہے اور ان شاءاللہ عنقریب زخموں سے چور ہو کر ایسا گرے گا کہ ابلیس لعین کا یہ نمائندہ استعمار بھی اپنی موت آپ مرجائے گا۔کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ وہ خطۂ زمین جس میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا وہ ایک صدی میں دو عالمی طاقتوں (برطانیہ عظمیٰ،USSR) کے زوال کا سبب بن گیا اور حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ اقبال کے VISION کے عین مطابق تیسری عالمی طاقت امریکہ بھی اپنے آخری انجام کی طرف بڑھ رہا ہے اور بہت جلد ان شاءاللہ عالمی نظام خلافت دنیا میں اپنی بہاریں دکھائے گا!! بقول اقبال:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

اور ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

خودی کی حقیقت

(چوتھا اور آخری حصہ)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

کی کتاب ''حکمتِ اقبال'' سے ایک باب

اسرارِ حیات کی کلید

چونکہ انسان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ خدا کی آرزو یا محبت ہے، اقبال بجا طور پر سمجھتا ہے، زندگی کے سربستہ رموز کی کلید انسان کا اپنا دل ہے اور زندگی کے مقصد کو سمجھنے کے لئے اسے اپنے دل ہی کی آرزو کو سمجھنا چاہیے۔

ے اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اپنی اسی آرزو یا محبت کی وجہ سے انسان خدا کے ذکر سے دل جمعی اور اطمینانِ قلب حاصل کرتا ہے۔

ے دلِ ما آتش و تن موجِ دودش
تپیدن دم بدم سازِ وجودش
بذکرِ نیم شب جمعیتِ او
چو سیمابے کہ بند و چوب عودش

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

''وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل خدا کے ذِکر سے اطمینان پاتے ہیں، خبردار دلوں کو اطمینان خدا کے ذکر سے ہی حاصل ہوتا ہے''

قرآن حکیم میں ہے کہ ہم نے انسان کو معزز بنایا ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ آدَمَ (اور بے شک ہم نے انسان کو معزز بنایا ہے)انسان کی اس عزت اور عظمت کا باعث یہی ہے کہ خدا نے اس کے دل میں اپنی محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔

انسان کی سب سے بڑی ضرورت

انسان کی سب سے بڑی ضرورت خدا ہے اوراس کی باقی تمام ضرورتیں اس سب سے بڑی ضرورت کے ماتحت اس کی خدمت گزار ہیں۔انسان کی اس ضرورت کا پورا کرنا،اس کوخدا کی معرفت بہم پہنچانا اوراس کو یہ بتانا کہ کون سا عمل خدا کی محبت کی نشو ونما کرنے والا ہے اورکون سا اس کے منافی ہے،انسان کی سب سے بڑی خدمت ہے۔انسان کی ساری تگ ودو کا مقصود انسان کی اس ضرورت کی تکمیل ہونا چاہیے۔ہم انسانیت کے لئے اور جو کچھ بھی کریں وہ اس ضرورت کی تکمیل کی کوشش کے بالمقابل ہیچ ہے۔کیونکہ انسان کی اسی ضرورت کا نام انسان یا آدم ہے۔

؎ یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

انسان کی انسانیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اسے خدا کی محبت کا جذبہ عطا کیا گیا ہے چونکہ انسان کی اصل خدا کی محبت کا جذبہ ہے۔خدا کا منکر ہونے سے جو بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس سے انسان کو اپنا منکر ہونا لازم آتا ہے۔اگر انسان اپنے آپ پر ایمان لے آئے تو یہ کافی ہے کیونکہ پھر اس ایمان میں خدا پر ایمان لانا خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔انسان کو خود اپنی ذات کی تکمیل اور شخصیت کی نشو ونما کے لئے خدا کے تصور کی ضرورت ہے جو شخص خدا کی عبادت اوراطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی تکمیل کا خواہش مند ہے۔لہٰذا یہ آخر کار خدا پرستی نہیں بلکہ خود پرستی ہے۔ہم خودی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ہماری خودی ہی سب کچھ ہے اسی کو جاننا، پہچاننا اوراس کی تربیت اور تکمیل کرنا ہماری زندگی کا مقصد ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ یہ مقصد خدا کی مخلصانہ عبادت اوراطاعت کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا۔

؎ مرا از خود برون رفتن محال است
بہر رنگے کی ہستم خود پرستم

خدا کی محبت کے لئے اقبال کی اصطلاحات

انسان سراسر آرزوئے جمال ہے اور یہ آرزوئے جمال کمزور بھی نہیں بلکہ نہایت طاقتور ہے۔ انسان کیا ہے تمنائے حسن کا ایک زبردست طوفان ہے جو موجزن ہے، اگر یہ طوفانِ تمنا نہ رہے تو انسان بھی باقی نہیں رہتا۔

نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیانِ مشتاقی

اسی آرزوئے جمال یا خدا کی محبت کو اقبال نے اپنے کلام میں کبھی آرزو، کبھی تمنا، کبھی دل، کبھی نظر، کبھی نگاہ، کبھی درد، کبھی داغ، کبھی سرور، کبھی سوز، کبھی بادہ، کبھی نشہ، کبھی مشتاقی، کبھی مستی، کبھی شوق، کبھی خونِ دل، کبھی خونِ جگر، کبھی آہِ سحر گاہی، کبھی جان، کبھی غم، کبھی تب وتاب، کبھی جذبِ اندروں، کبھی جذبِ مسلمانی، کبھی جذبِ قلندرانہ، کبھی فقر، کبھی درویشی، کبھی ذوقِ تجلّی، کبھی عشق اور کبھی محبت کے ناموں سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ یہ آرزوئے جمال مخالفانہ آرزوؤں سے آزاد ہونے کے بعد نہایت ہی زوردار عمل میں ظاہر ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ تسخیر کائنات ہوتا ہے۔ لہٰذا اقبال اسے کبھی ذوقِ تسخیر کا نام بھی دیتا ہے۔

چیست جاں جذب و سرود و سوز و درد
ذوقِ تسخیر سپہر گرد گرد

خدا کی محبت کے بغیر انسان مردہ ہے

جب انسان کی اصل فقط خدا کی محبت ہے اور اس کے علاوہ انسان اور کچھ بھی نہیں یا زیادہ سے زیادہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ یا گوشت کا ایک ڈھیر ہے تو پھر یوں کہنا چاہیے کہ جو شخص ہمہ تن خدا کی محبت نہیں وہ بحیثیت ایک انسان کے موجود ہی نہیں۔ کیونکہ جس حد تک ایک انسان اپنی زندگی کے تقاضوں کی تشفی اور تکمیل کرتا ہے اسی حد تک وہ زندہ اور موجود سمجھا جاسکتا ہے۔ زندگی یا خودی اس وقت آشکار ہوتی ہے جب خدا کی محبت آشکار ہوتی ہے اور اپنی تکمیل اور تشفی کے مدارج سے گزرتی ہے۔ یہی خودی کی نمود یا زندگی کی نمود ہے۔ خدا کی محبت کی تربیت خودی کی نمود

ہے اور خودی کی نمود کا ہی دوسرا نام زندگی کا وجود ہے۔ زندگی فقط خدا کی محبت کی آشکارائی ہے اگر خدا کی محبت نہیں تو زندگی بھی نہیں۔

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

جو شخص اس بات کا قائل نہیں کہ اس کے اندر خدا کی محبت کا ایک طاقتور جذبہ موجود ہے جس کی تسکین اور تشفی اسے خدا کا مقرب بنا سکتی ہے وہ شخص اپنے آپ کو ایک انسان کی حیثیت سے نہالِ سدرہ کی مقدس شاخ یا دوسرے لفظوں میں بالقوہ خدا کا مقرب نہیں سمجھتا بلکہ چمن کائنات کا کوڑا کرکٹ سمجھتا ہے وہ خدا کا ہی منکر نہیں بلکہ اپنا بھی منکر ہے۔ لیکن اگر انسان خدا سے الگ ہو کر خدا کا منکر بنتا ہے تو اپنے آپ سے الگ ہو کر اپنا منکر تو نہ بنے، اگر وہ اپنا منکر نہیں تو پھر اسے خدا کے اقرار سے گریز کیسے ہو سکتا ہے۔

شاخِ نہالِ سدرہ خار و خسِ چمن مشو
منکر او اگر شدی منکر خویشتن مشو

خدا کا انکار اپنا انکار ہے

خدا کے اِقرار کا مقصد یہ ہے کہ خدا سے ایسی محبت کی جائے جس سے انسان کو اپنی شخصیت کی ترقی اور تکمیل ہو۔ جو شخص خدا کا اقرار کرتا ہے لیکن خدا سے محبت نہیں کرتا وہ خدا کے اقرار سے اپنی شخصیت کی تربیت کا فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ وہ خدا کا منکر تو نہیں لیکن اپنا منکر ہے جب وہ خدا کے اقرار کے مقصود سے بے خبر ہے تو اس کا اقرار انکار سے بہتر نہیں بلکہ بدتر ہے کہ یہ خدا کو جاننے کے بعد خدا کی ناقدری ہے۔

منکر حق نزد مُلّا کافر است
منکر خود نزد من کافر تر است

خدا پر ایمان لانے اور خدا سے محبت کرنے کا فائدہ خود انسان کو ہے کہ اس کے بغیر

انسان کا اپنا وجود متحقق نہیں ہو سکتا۔ خودی کی زندگی یہ ہے کہ وہ بڑھے اور پھولے اور تربیت اور ترقی پا کر اپنے مخفی کمالات کو آشکار کرے۔ نشو ونما زندگی کا خاصہ ہے، زندگی اگر نشو ونما نہ پائے تو زندگی نہیں، بیج اگر نشو ونما پا رہا ہے تو زندہ ہے اگر نشو ونما پانے سے رہ گیا ہے تو مردہ ہے۔ اگر ایک جسم حیوانی نشو ونما پا رہا ہے تو زندہ ہے ورنہ مردہ ہے یا جاں بلب۔ نمود اور آشکارائی وجود یا زندگی سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔

گفت موجود آنکہ مے خواہد نمود
آشکارائی تقاضائے وجود

خودی کی زندگی اور ترقی کے لیے خدا کی محبت کی ضرورت

لیکن خودی کی تربیت اور ترقی اور نشو ونما اور بالیدگی کا مقصد خدا کی محبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ خودی فقط خدا ہی کی سمت میں کامل نشو ونما پا سکتی ہے۔ لہٰذا خدا کے منکر کو چاہیے کہ اپنی زندگی کی فکر کرے یعنی خدا پر ایمان لائے اور خدا کی محبت کا حق ادا کر کے زندگی پائے

وجود کیا ہے فقط جوہرِ خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

جو شخص خدا کے بغیر جی رہا ہے وہ مردار ہے اگرچہ لوگ اس کا ماتم نہیں کرتے۔

آنکہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتم او زار نیست

خدا کی محبت سے دِل کی کلی شگفتہ ہوتی ہے

جس طرح سے پھول کی کلی نسیم سحر کے بغیر کھل نہیں سکتی، انسان کے دل (یعنی خودی) کی کلی خدا کی محبت کے بغیر کھل نہیں سکتی۔ جس طرح سے صبح کی ہوا کے زندگی بخشنے والے اثر سے پھول کی کلی شگفتہ ہو جاتی ہے اسی طرح سے خدا کی محبت کے زندگی اور راحت بخشنے والے اثر سے انسان کا دل مسرّت سے بھر جاتا ہے۔ مؤمن کے دل کی ساری داستان کا حاصل اور اس کی زندگی کی ساری تگ ودو کا باعث یہ ہے کہ جس طرح کلی نسیم سحر کے لئے شگفتہ ہوتی ہے، مؤمن کا دل خدا

کی محبت کے لئے تشنہ ہوتا ہے۔

کلی کو دیکھ کہ ہے تشنۂ نسیمِ سحر
اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ

انسان کا خدا سے بھاگنا اپنی تربیت اور تکمیل کو روک دیتا ہے۔ حالانکہ خدا وہ ذاتِ پاک ہے جو انسان کو پیدا کرتی ہے اور پھر اسے جسمانی نشوونما کے کمال پر پہنچاتی ہے۔ یہی ذاتِ پاک اس کی روحانی اور نفسیاتی نشوونما کی ضامن بھی ہے۔ خدا کی محبت سے ہی انسان کی خودی لالہ کے پھول کی طرح اپنے کمال کو پہنچتی ہے لہٰذا خدا سے حجاب کی وجہ کیا ہے۔ اگر لالہ کی کلی جو کھل کر پھول بن جاتی ہے اور ایک دلہن کی طرح رنگین لباس میں ملبوس ہو جاتی ہے، نسیمِ سحر سے دلہن ہی کی طرح حجاب کرے تو وہ اپنے حسن کے کمال کو کیسے پہنچ سکتی ہے۔

عروسِ لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

خدا کی محبت خودی کے ارتقا کی شرط ہے

انسان کا خدا سے گریز کرنا اپنے آپ سے گریز کرنا ہے کیونکہ خدا کی محبت کے بغیر انسان اپنے آپ کو نہیں پا سکتا اور اگر انسان خدا سے بھاگے تو زور یا بدیر پھر اس کو خدا ہی کی طرف واپس لوٹنا پڑے گا۔

از کہ بگریزیم از خود ایں محال
از کہ روتابیم از خود ایں خیال

مومن اسی حقیقت کا اعتراف کرتا ہے جب وہ کہتا ہے

لَاحَوۡلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ لَامَنۡجَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیۡہِ

"کفر اور ہر بری چیز سے بچنا اور ایمان اور ہر اچھی چیز پر قدرت پانا خدا کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں اور خدا سے بھاگنے کے بعد اگر کوئی راستہ نجات کا ہے تو خدا ہی کی طرف ہے"

جس طرح سے خدا نے انسان کی جسمانی نشوونما اپنے ذِمہ لے رکھی ہے اسی طرح سے اس نے انسان کی روحانی یا نفسیاتی نشوونما بھی اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ لیکن چونکہ انسان اپنے فکر و عمل میں

آزاد ہے وہ اپنی نشو ونما کی روحانی یا نفسیاتی سطح پر اپنے اختیارات کو غلط طور پر کام میں لاتا ہے اور اس طرح سے خدا کے مقاصد میں حائل ہوتا ہے۔

لہٰذا انسان کا روحانی یا نفسیاتی ارتقاء جو دراصل اس کی خودی کا ارتقاء ہے۔ اس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے اختیارات کو تمام وکمال خدا کے تابع نہ کردے اور اپنے آپ کو کلیتاً خدا کے سپرد نہ کردے۔ اقبال اس خیال کو یوں ظاہر کرتا ہے:

؎ خویش را در باز و خود را باز گیر
دام گستر از نیاز و ناز گیر

(اپنے آپ کو ہار دے اور اس کے نتیجہ کے طور پر اپنی خودی کو پالے، اطاعت اور فرمانبرداری کا دام پھیلا اور خودداری کو اپنی گرفت میں لا)

یک بینی اور یک اندیشی کے بغیر خودی اپنے آپ کو نہیں پاسکتی

چونکہ خدا کی محبت خودی کی مرکزی خواہش ہے اور باقی خواہشات اس کے تابع ہیں پس جو خواہش اس خواہش کی حریف ہوتی ہے وہ خودی کی اپنی خواہش نہیں ہوتی بلکہ خودی کی خواہش کے راستہ میں ایک ناگوار بلکہ خطرناک رکاوٹ ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر ایسی خواہش کو مٹانا خودی کے لئے ضروری ہوتا ہے تاکہ خودی اپنے آپ کو پاسکے اور اپنی فطرت کے مخفی کمالات کو آشکار کرسکے۔ دوسرے الفاظ میں ماسویٰ اللہ سے کٹ کر خدا سے وابستہ ہونا خودی کی فطرت ہے۔ جب تک کہ خودی غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے وہ اپنے آپ کی طرف آنے کے لئے یعنی اپنی فطری محبت کی تشفی اور تکمیل کے لئے آزاد نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس جب وہ غیر اللہ سے کٹ جائے تو اپنے آپ کی طرف لوٹنے کے لیے آزاد ہو جاتی ہے اور غیر اللہ کو اپنے نصب العین کے تابع کر دیتی ہے جب تک انسان خدا کی محبت میں پختہ نہ ہو یا ماسویٰ اللہ سے پوری طرح نہیں کٹ سکتا۔

؎ تا نہ رمز لا اِلٰہ آری بدست
بند غیر اللہ را نتواں شکست

اگر ہم غیر اللہ کی محبت سے کنارہ کش ہو کر خودی کے جذبہ محبت کو آزادی کے ساتھ اپنا

اظہار کرنے دیں تو خدا ملتا ہے اور اگر ہم آزادی کے ساتھ خدا کی جستجو کریں تو ہماری خودی اپنے کمال کو پہنچتی ہے گویا ہمیں اپنی خودی سے خدا ملتا ہے اور خدا سے اپنی خودی ملتی ہے اور دونوں انعامات کی حقیقت ایک ہی ہے۔

؎ از ہمہ کس کنارہ گیر صحبت آشنا طلب
ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

اس شعر کا پہلا مصرع گویا قرآنِ حکیم کی اس آیت کا ترجمہ ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (ہر ایک سے کٹ کر خدا سے وابستہ ہو جائیے)

خدا کی نمود خودی کی نمود ہے

انسانی خودی کی زندگی یا اس کے وجود کی علامت یہ ہے کہ وہ برابر نشوونما کرتی رہے اور اس کے مخفی کمالات کی نمود یا آشکارائی ہوتی رہے۔لیکن یہ بات خدا کی محبت کے بغیر ممکن نہیں ہوتی اور جب انسانی خودی کی نمود ہوتی ہے یعنی اس کے مخفی علمی، اخلاقی، روحانی اور جمالیاتی کمالات آشکار ہوتے ہیں تو اس دنیا میں خدا کی صفات کے کمالات ومحاسن کی آشکارائی یا نمود بھی ساتھ ہی عمل میں آتی ہے۔خدا کی نمود خودی کی نمود کی صورت اختیار کرتی ہے۔

؎ خودی را از وجودِ حق وجودے
خودی را از نمودِ حق نمودے

یاجوج ماجوج نمبر

پر

اہلِ علم کےاور جرائد کی آراء وتاثرات

1۔ پروفیسر عون محمد سعیدی، جامعہ نظامِ مصطفیٰ بہاولپور

محترم جناب مختار فاروقی صاحب نت نئے علمی کارنامے سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ اب اُنہوں نے ''یاجوج ماجوج'' نمبر شائع کیا ہے جس کے لیے اُنہوں نے اپنی تمام تر علمی وفکری توانائیاں صرف کی ہیں۔ اس رسالے پر تبصرہ دوطرح سے مشکل ہے۔ ایک تو اس لئے کہ تبصرہ سے پہلے اتنا ضخیم رسالہ زیرِ مطالعہ لایا جائے دوسرا اس لئے کہ اس موضوع کی جو عصری تعبیرات پیش کی گئی ہیں ان سے کس حد تک اتفاق کیا جائے اور کس حد تک اختلاف۔

بہرحال ہم نے اس رسالہ کا مطالعہ کیا تو فاروقی صاحب کی محنت کو داد دینے پر مجبور ہوگئے۔ اُنہوں نے قیمتی مواد پیش کیا ہے صرف عصری تعبیرات ہی پیش نہیں کیں بلکہ قدیم نقطہ ہائے نظر کو بھی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ پھر دونوں کے مابین تطبیق دینے کی ہمت بھی کر ڈالی ہے۔ اگر آدمی ذرا لبرل ہوکر غور کرے تو اس تطبیق سے اتفاق کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم کائنات میں ابھی لاکھوں راز ہائے سربستہ مخفی ہیں۔ نہیں معلوم کہ کب کون سا معرکہ پیش آتا ہے اور کب کیا حادثہ رونما ہوتا ہے۔ کتاب الفتن کا مطالعہ اس دور کی اہم ترین ضرورت ہے جس سے حیاتِ انسانی کے بے شمار گوشے عیاں ہوکر سامنے آتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ان اَسرار سے پردہ اُٹھانے کی کوششیں اسی طرح جاری رہیں گی اسلام کی عظمتیں نکھر نکھر کے سامنے آتی رہیں گی اور ایک وقت آئے گا جب کہ سب حقائق روزِ

روشن کی طرح دنیا کے روبرو ہوں گے۔

2۔ **محمد متین خالد** لاہور کینٹ

ماہانہ حکمت بالغہ.................اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے جس میں نہایت فکر انگیز تحریریں ہوتی ہیں۔ستمبر 2012ء کی اشاعت ''یاجوج ماجوج نمبر'' دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ مذکورہ شمارہ وقیع اور یادگار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت علمی اور تحقیقی ہے۔ میں آپ کی علمی، معلوماتی اور جامع تحریروں کا تہہ دل سے مداح ہوں۔آپ کی تحریریں تعمیر شخصیت کے ساتھ ساتھ عمل پر بھی آمادہ کرتی ہیں۔قرآن وحدیث سے آپ غیر معمولی شغف اور والہانہ عشق کسی تعارف کا محتاج نہیں۔اس پر آپ کے لئے دل سے بے ساختہ وار اور دعائیں نکلتی ہیں۔آپ کی ملی اور دینی خدمات پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا جاسکتا ہے۔تحفظ ناموسِ رسالت کے موضوع پر اگر ''حکمت بالغہ'' کا کوئی خاص شمارہ شائع ہوجائے تو یہ اُمت مسلمہ پر آپ کا مزید احسان ہوگا۔''یاجوج ماجوج نمبر'' کی اشاعت پر ایک مرتبہ پھر مبارک باد......کہ ایسی معلومات کی جمع آوری ایک دن کا کام نہیں بلکہ برسوں کی محنت درکار ہوتی ہے۔آپ کی دُعاؤں کا محتاج ہوں۔ جملہ احباب کو سلام

3۔ ہفت روزہ **ندائے ملت** لاہور

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ کی طرف سے چند ماہ پہلے جب اس بات کا اعلان کیا گیا کہ عنقریب ان کی آئندہ اشاعت خصوصی 'یاجوج ماجوج' نمبر ہوگی تو اہل علم کی نظریں اس انتظار میں لگ گئیں کہ کب وہ وقت آئے گا کہ جب مستند صحیح دلائل اور آیاتِ قرآنی واحادیث صحیحہ کی روشنی میں ان کو 'یاجوج ماجوج' کے بارے میں صحیح اور سیر حاصل معلومات حاصل ہوں گی۔الحمدللہ کہ اللہ کی توفیق سے سب کا انتظار ختم ہوگیا اور ماہنامہ حکمت بالغہ کا یاجوج ماجوج نمبر شائع ہوگیا ہے اس رسالہ میں یاجوج ماجوج کے متعلق بڑی تفصیل سے وضاحت بیان کی گئی ہے اور خاص طور پر

1. قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کا تذکرہ۔
2. لسانِ رسالت ﷺ سے یاجوج ماجوج کا تذکرہ۔
3. یاجوج ماجوج کا تذکرہ ہندو روایات میں۔
4. یاجوج ماجوج کے بارے میں مسیحی نقطہ نظر۔

5. یاجوج ماجوج سے متعلق یہودی نقطہ نظر۔

6. مختلف اہل علم کے نقطہ ہائے نظر کا تجزیہ وتبصرہ۔

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مناظر حسین گیلانی اور محمد انیس الرحمٰن جیسے محققین کی تحقیق کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد ہی قاری کو اندازہ ہوگا کہ یاجوج ماجوج کیا تھے، کون ہیں اور کب ان کا فساد پھیلے گا۔

تبصرہ وتعارف کتب

1 جامعہ کراچی شعبۂ اسلامیات کے مجلّہ

سہ ماہی التفسیر --- کا--- شخصیات نمبر

(24 شخصیات کا تذکرہ)

تبصرہ نگار: انجینئر مختار فاروقی

سہ ماہی 'التفسیر'، کراچی کا 'شخصیات نمبر' موصول ہوا مطالعہ کر کے ازخود خوشی ہوئی کہ ہماری جامعات میں قابل قدر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ قابل احترام ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کے دل میں ایک نیک خیال آیا اور انہوں نے اپنے طلباء کے سامنے اس خیال کو رکھا جس پر یہ قابل قدر مواد منصۂ شہود پر آ گیا اور التفسیر میں چھپ کر ایک وسیع حلقے ﷺ پھیل گیا ہے۔ یہ اشاعت ملک میں ان شاءاللہ فکری یکجہتی اور ہم آہنگی کا سبب بنے گی۔

جن 24 شخصیات کا تذکرہ اس شمارے میں ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

☆ امام ابوحنیفہ ☆ امام الحرمین الجوینی الشافعی ☆ قاضی بدرالدولہ ☆ سرسیّد احمد خان ☆ خواجہ غلام فرید آف کوٹ مٹھن ☆ علامہ اقبال ☆ مولانا عبیداللہ سندھی ☆ مولانا عبدالرؤف دانا پوری ☆ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ☆ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ☆ مولانا مفتی محمود ☆ علامہ محمد حسین طباطبائی ☆ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ☆ علامہ سید احمد سعید کاظمی ☆ علامہ محمد اسد ☆ جسٹس پیر کرم شاہ الازہری ☆ مولانا ابوالحسن علی ندوی ☆ مولانا عبدالرشید نعمانی ☆ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ☆ مولانا گوہر رحمان ☆ مولانا شاہ احمد نورانی ☆ صوفی عبدالحمید ☆ ڈاکٹر اسرار احمد ☆ پروفیسر علی محسن صدیقی

ترقی پذیر ملک اور نظریاتی ریاستوں کی جامعات اپنے ملک اور قوم کے لئے بہت قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں اور ملکی وملّی مقاصد کو آگے بڑھانے میں بڑی مد ثابت ہوتی ہیں۔ ایک طرف

باصلاحیت افراد حصولِ تعلیم کے لئے یہاں آتے ہیں پھر حکومتیں قوم کا سرمایہ اور وسائل ان اساتذہ اور جامعات پر خرچ کرتے ہیں، اگر یہاں طلباء کو ملکی وملّی مقاصد، نظریات کو آگے بڑھانے کی راہیں سمجھائی جائیں تو یقین کیجیے قوم بہت جلد نہ صرف اپنے نظریاتی تشخص کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوجائے گی بلکہ اس کے فروغ یا تصدیر (EXPORT) کے قابل بھی ہوسکے گی۔

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے جہاں انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ اس ریاست کی عمارت کے اہم ستون ہیں وہاں فوج اس ریاست اور اس کے نظریہ کی حفاظت کی ذمہ دار ہے میڈیا کی اہمیت اپنی جگہ ہے مگر درحقیقت نظامِ تعلیم اور جامعات میں پروان چڑھنے والی ہماری آئندہ نسلیں ایک نظریاتی ریاست کے لئے استحکام اور بقا کا سبب ہیں۔ اگر ہمیں ریاست کے نظریہ کو اگلی نسل میں منتقل کرنا ہے تو ہماری جامعات میں اس نظریہ کی تعلیم ناگزیر ہے تاکہ ریاست جس نظریہ کی امین اور وارث ہے وہ نسل درنسل قائم رہ کر دوام حاصل کرسکے۔ ہمارا نظریہ دوقومی نظریہ ہے اور یہ نظریہ اسلام ہے لہٰذا ـــــــ ہماری جامعات میں ایک ایسا نظریاتی نظام تعلیم اور ایک نظریاتی ماحول کا ہونا ازحد ضروری ہے نظریاتی نظام تعلیم کو نظریاتی ریاست کا ایک اہم ستون کا درجہ حاصل ہے اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

التفسیر کا یہ شخصیات نمبر پاکستان کے نظریاتی تشخص کے تحفظ وبقا کے لیے اگلی نسل میں منتقل ہونے کا اگرچہ ایک ہلکا سا اشارہ اور چھوٹا سا قدم ہے مگر آج کی ترقی یافتہ قوموں میں ملکی اور اجتماعی مقاصد اعلیٰ پالیسی ساز اداروں اور ایوانوں میں متعین ہوکر نیچے سرایت کرتے ہیں اور ان مقاصد کی تکمیل کے لئے معلومات کا خزانہ ملکی جامعات میں زیرِ تعلیم ہونہار نوجوانوں کے 'ریسرچ پیپرز' ہی فراہم کرتے ہیں۔

آج سے 1200 سال قبل جب مسلمان ایشیا، افریقہ، یورپ میں علاقے فتح کرکے وہاں پہنچے اور وہاں اقتدار سنبھالا تو وہاں اپنے سرکاری اہلکاروں کی درجہ بدرجہ رہنمائی کے لئے REFERENCE BOOKS تیار ہوئیں۔ وہ علاقے کے گورنر سے لے کر دفتری معاون تک کی رہنمائی اور فوری معلومات کا ذریعہ تھیں۔ معجم البلدان اور الملل والنحل اسی قبیل کی تصنیفات تھیں۔ افسوس کہ وہ سارا علمی سرمایہ سقوط بغداد کے وقت دریابرد کردیا گیا۔ فیا اسفا

جب برطانیہ نے اٹھارویں صدی میں دنیا بھر میں وسیع علاقوں پر قبضہ کرلیا اور ہر جگہ تعینات انگریز عملہ کے لئے رہنمائی درکار تھی تا کہ ہر علاقے کی پس منظر روایات وشخصیات کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی جاسکیں تو اس مقصد کے تحت GAZATEERS کی اشاعت شروع ہوئی جس نے بعد میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صورت اختیار کرلی اور وہ ہر سال بعد اضافوں اوراصلاح کے ساتھ REVISED EDITIONS کی صورت میں دوصدیوں تک سامنے آتا رہا جب برطانوی سامراج کا اقتدار ڈوب گیا اوراس کی جگہ امریکہ نے لے لی اس سے مغربی طاقتوں کا انداز مداخلت بھی بدل گیا اب ملک فتح نہیں کیے جاتے بلکہ قرضوں، مالی امداد اور NGOs کے ذریعے کنٹرول کیے جاتے ہیں لہٰذا امریکی CIA دنیا بھر کی معلومات جمع کرتی ہے اور CIA PLANET کے نام سے کچھ حصہ انٹرنیٹ پر عوام کے لئے بھی فراہم کردیا جاتا ہے۔ 92 ممالک میں CIA براہ راست مداخلت کر رہا ہے اور باقی ملکوں پر نہ معلوم کس وقت چڑھائی کردی جائے۔لہٰذا ایک خاص نقطہ نظر سے یہ معلومات جمع کی جاتی ہیں۔

مستقبل میں اگر اسلام نے پھیلنا ہے اور عالمی خلافت کے قیام کی جو نوید احادیث صحیحہ میں وارد ہے وہ 'خبر' پوری ہونی ہے تو اس کے لئے مسلمان اُمت اور بالخصوص ہمیں اپنے نوجوانوں کی رہنمائی کے لیے 'مسلم نقطہ نظر' سے لکھا گیا بہت سارا تحریری مواد درکار ہے اور یہ بات اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔علامہ اقبال جن کو مفکّرِ پاکستان کا مقام رفیع حاصل ہے انہوں نے جوافکار دیے تھے وہ یہی ہیں

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اور ع میرے درویش خلافت سے جہانگیر تری

اور ایسے ہی افکار کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا اور اسی سمت میں اجتماعی پیش قدمی ہمارا ملکی وملّی اور دینی نصب العین ہے۔

راقم کو 'التفسیر' کے اس شمارے میں ملت اسلامیہ پاکستان کے لئے مستقبل کی اسی ضرورت کی ایک جھلک نظر آئی؛ اسی لئے اپنا دردِدل صفحۂ قرطاس پر منتقل کردیا ہے۔

اس تحریر کے آغاز میں جس خوشی اور مسرّت کا اظہار کیا گیا تھا وہ یہی ہے کہ ہمیں اپنی جامعات میں موجود قابل احترام اساتذہ اور نوجوانوں کی صلاحیتوں (TALAENT) اور جذبے کی کمی کا شکوہ نہیں ہے ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی...... اگر صحیح رہنمائی ہو جائے اور ایک نظریاتی اجتماعی 'سوچ' پاکستان کے طول وعرض میں سرایت کر جائے تو کوئی وجہ نہیں ہماری یہی نوجوان نسل ملک پاکستان میں بانیانِ پاکستان کی اُمنگوں کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہو جائے اور ان کے خوابوں کی تعبیر کر کے ایک ٹھوس حقیقت میں ڈھل جائے اور پاکستان ایک زندہ جدید نظریاتی اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بن کر باقی دنیا کے لئے نمونہ بن جائے۔

حق یہی ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کی 'کم کوشی' کا شکوہ تو کر سکتے ہیں لیکن یہ 'بے ذوق' نہیں ہے اور ہمیں پاکستان کے نظریاتی مستقبل کے بارے میں اسی لئے مایوسی بھی نہیں ہے۔ اصل ضرورت مسلسل محنت اور تگ و دو کی ہے۔

فسعیاً ثم سعیاً ثم سعیاً وما عندی سوا ذاك المقال

'التفسیر' کے مدیر اعلیٰ اور سارا عملہ صحیح رخ پر ایک صحیح قدم اُٹھانے پر یقیناً مبارکباد کے مستحق ہے اور ہماری دعا ہے کہ یہ سلسلہ زیادہ ذوق وشوق سے آگے بڑھے اور ہماری جامعات اپنے زیرِ تربیت نوجوانوں کی ایسی تربیت کر سکیں جو ملک کی نظریاتی بقا واستحکام وتصدیر کا باعث بن سکے۔ آمین۔

---

2 علوم القرآن_ مطالعہ قرآن کا ضابطہ

(توسیعی وتجدیدی ضرورت)

پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان

ملنے کا پتہ: میاں محمد بخش پبلک لائبریری، میرپور آزاد کشمیر

انسان ایک ایسی ہستی ہے جو روئے ارضی پر صدیوں سے اپنے ماحول کو اور اپنے جیسے دوسرے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو زیروزبر کر رہی ہے۔ اگر انسان کو ایک حیوان محض (PURE ANIMAL) نہ سمجھا جائے تو اس کی انسانی اخلاقی وروحانی رہنمائی بھی اس فاطر فطرت

کی ذمہ داری ہے جس نے اس سلسلۂ کائنات کو پیدا کیا ہے اور حقیقتاً ـــــــ ایسا ہی ہے تاریخ انسانی اس بات پر گواہ ہے۔ اور ہر قوم اپنے تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے ایسا قیمتی سرمایہ رکھتی ہے کہ آج سے ہزاروں سال قبل (جسے اہل علم DAWN OF HISTORY کہتے ہیں) دنیا میں ایسی ہستیاں ظہور پذیر ہوئیں جنھیں انبیاء کرام علیہم السلام کہا جاتا ہے، یہ ہستیاں کردار و معاملات کے لحاظ سے بھی نہایت اعلیٰ درجے پر تھیں اور اپنے مشاغل میں بھی دوسروں کے لئے نمونہ تھیں۔ ان کی تعلیمات ہر معقول انسان کے دل کی آواز تھیں۔ مفاد پرست اور آسودہ حال طبقات نے خود بھی اور ان کے زیر اثر و زیر بار طبقات نے بھی ان کی تعلیمات مخالفت کی۔

ان مقدس ہستیوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بڑے نمایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیغمبروں کو زبانی تعلیمات بھی دیں اور جب انسانوں نے لکھنا پڑھنا اور کتابیں بنانا سیکھ لیا تو تحریری ہدایت اور کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ چار آسمانی کتابیں مشہور ہیں، تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔

مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو اس سلسلۂ نبوت کے آخری کڑی ہیں) کے اُمتی ہیں اور قرآن مجید کے حامل ہیں۔ مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے ذریعے سابقہ تمام انبیاء کرام کو بھی مانتے ہیں اور ان کی تعلیمات کو اپنے اپنے زمانے میں معتبر ہونے کی تصدیق بھی کرتے ہیں جبکہ دنیا میں یہود و نصاریٰ اپنے وقت کے پیغمبروں کو مان کر بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنے پیغمبر کے بعد کے اس سنہری سلسلے کو توڑ دیتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

قرآن مجید آخری وحی اور اللہ تعالیٰ کا انسانیت کے نام 'پیام آخریں' ہے اور ہمارے نزدیک ختم نبوت کا اعلان انسانیت کے اجتماعی عقل و شعور پر خالق کائنات کے اعتماد اور یقین کا مظہر ہے کہ اب انسان اس قابل ہے کہ قرآن مجید میں دی گئی رہنمائی سے تا قیامت اپنے لئے ہر طرح کے بدلتے ہوئے حالات میں رہنمائی اخذ کر سکے۔

اسی حقیقت کا مظہر یہ ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں نے ذرا سے حالات کے بدلنے اور جغرافیائی طور پر ماحول کی تبدیلی کے اقتضا پر قرآن و حدیث سے رہنمائی اخذ کر کے آشکارا کی تاکہ خالق کائنات کی طرف سے بعثت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مقصد جلیلہ پورا ہو سکے۔ اس میں انسانی طبائع

کے عین مطابق اختلاف بھی آیا ہے اور بحث ومباحثہ کا میدان بھی کھلا رہا ہے مگر ہر مسلمان یہ جانتا تھا اور اب یہ بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ کوئی اُمتی بھی حضرت محمد ﷺ کے بعد قرآن مجید کے منشا کا سو فیصد صحیح ادراک کرنے اور دوسروں کی آرا کو ردّ کر کے ضلالت قرار دینے کا حق نہیں رکھتا۔ جمہور اہل علم کی رائے پر عمل ہی ممکن ہے اور یہی ہوتا آیا ہے۔

قرآن مجید پر حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں غور وفکر کا سلسلہ اسلام کی پوری تاریخ کا جزو ہے اور گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کے زوال اور مغرب کی مادّی وعسکری برتری کے دور میں تو اس بات کی ضرورت کا احساس زیادہ شدید ہو گیا اور الحمد للہ حضرت محمد ﷺ کی امت اس کام سے غافل نہیں رہی۔

گزشتہ صدی میں جب مغربی استعمار کے عروج کا زمانہ تھا اور جب اس نے 1924ء میں عثمانی حکومت کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کی اجتماعیت کی واحد نشانی کو بھی زمین بوس کر دیا تو اس رخ پر سوچنے کے عمل کو مہمیز ملی ہے اور اسلام کو مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں ایک فعال اور موثر حیثیت دینے کا کام تیزی سے آگے بڑھا ہے۔ آج سے ایک صدی قبل سے یہ جدوجہد شروع ہوئی اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی عالم اسلام کی آزادی اور اسلامی ریاست کا قیام مسلمان اہل علم کا مطمع نظر رہا ہے۔

پاک وہند اور عالم عرب میں اس پر بہت کام پہلے بھی ہوا ہے اور ابھی بھی اس ضمن میں بہت سا کام کرنے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الہند حضرت محمود حسن وغیرہ کی مساعی روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

آج بھی مسلم امت کے علماء فضلاء اور دردمند اہل علم کے لئے یہ بات ایک چیلنج سے کم نہیں ہے کہ اس میدان میں ابھی کام ابتدائی مراحل میں ہے۔ دشمن بھی ہمیں اس سمت میں آگے بڑھنے میں خاص طور پر مزاحم ہے اس لئے کہ اس راستے پر مسلمانوں کی فعالیت مغربی بالادستی اور عالمی حکومت کے لئے 'موت کا پیغام' ہوگی۔ سرمایہ دارانہ نظام، سوشلزم، کیمونزم، عوامی حاکمیت کا تصور وغیرہ کے نظریات کے خاتمے پر ہی اسلام کے اصول حریت ومساوات اور عدل وانصاف کی

عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عارف خان صاحب کی یہ مساعی قابل داد ہیں جو وہ اس ضمن میں کر رہے ہیں یا وہ اور ان کے رفقاء ابھی جن کاموں کا عزم رکھتے ہیں۔ یہ کام وقت کی ضرورت، خالق کائنات کی منشا، حضرت محمد ﷺ کے اُمتی ہونے کی دلیل، ملت اسلامیہ کی بھلائی اور امت مسلمہ کے عالمی بھائی چارے کا تقاضا ہے۔ یہ کام کسی ایک ادارے کے بس کا نہیں ہے۔ انڈونیشیا، ملائشیا سے لے کر مراکش اور مشرق سے مغرب تک ہزاروں اداروں میں لاکھوں افراد بھی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا دیں تو غنیمت ہے۔ لہٰذا اس کام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ہر ذی شعور باصلاحیت مسلمان کو اس کام کا خود بیڑا اُٹھانا چاہیے یا کم از کم دوسروں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو نفس اور شیطان کے شر سے بچائے رکھے اور ان کے کام میں دوسرے ایسے اداروں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

---

3 اقبال اور امیر ملت رحمتہ اللہ علیہما

مصنف: محمد صادق قصوری

ملنے کا پتہ: محمد صادق قصوری، برج کلاں، ضلع قصور قیمت:250 ضخامت:160

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل، ڈپٹی چیف لائبریرین (ر) PU، لاہور

زیر تبصرہ کتاب تحریک پاکستان کی دو عظیم شخصیات حکیم الامت حضرت علامہ اقبال اور امیر ملت پیر حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے باہمی تعلق کی روداد ہے۔ یہ مرکزی مجلس امیر ملت کے ناظم محترم محمد صادق قصوری صاحب کی گرانقدر تحقیقات کا نچوڑ ہے۔ خصوصاً علامہ اقبال اور مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے مابین وہ خطوط جن میں حضرت امیر ملت کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے اس کا مرکزی موضوع ہے جسے صاحب تصنیف نے قضیہ مہاراجہ کرشن پرشاد شاد تحریر ہے۔ صاحب تصنیف نے دلائل و براہین کے ساتھ ان خطوط کو تحریف شدہ ثابت کیا ہے۔ تبصرہ نگار جس کی حلقہ ارادت مندانِ امیر ملت میں چشم وا ہوئی، کے مطالعہ کا ماحصل بھی یہی ہے کہ علامہ اقبال

جیسی ملت اسلامیہ کی عظیم ہستی سے امیر ملت کی ذات بابرکات مثل آفتاب کے بارے میں اس قدر پست سطح کے فقرات پیوند کاری کے سوا کچھ نہیں جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اسی کتاب کے مقدمہ میں صفحہ نمبر 25 پر تحریر کیا ہے: ''میرا گمان غالب ہے کہ یہ خطوط مہاراجہ یا اس کے کسی مداح کی ایجاد ہیں ورنہ علامہ اقبال سے ایسی توقع ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی''۔

صاحب تصنیف نے ملت اسلامیہ کی ان دو عظیم ہستیوں کی باہمی محبت وعقیدت کو تو ان صفحات پر اُجاگر کیا ہی ہے مگر عاشقانِ رسول کے تذکروں سے مزین یہ ایک خوبصورت گلدستہ بھی ہے۔ محدّث اعظم علی پوری کی عظمتوں اور تحریک پاکستان میں ان کی خدمات کو جس طرح خراج تحسین قصوری صاحب نے پیش کیا ہے، لائق صد تحسین وتبریک ہے۔ کتاب ہذا کے دو اہم نکات قابل توجہ ہیں اور ان پر تحقیق مزید کی گنجائش ہے (الف) حضرت قائداعظم کی امیر ملت کے دست حق پرست پر بیعت اور (ب) حضرت علامہ اقبال کی سلسلہ قادریہ میں بیعت۔ علامہ قصوری صاحب کے اشہب قلم سے تحریک پاکستان اور مشائخ عظام ایسی قابل قدر تصنیف بھی پہلے سے موجود ہے جس میں امیر ملت کے تذکار مبارکہ اور ان کی کشمیر میں قائد اعظم سے ملاقات کی تفصیل صفحہ نمبر 48 پر مرقوم ہے لیکن اس میں قائداعظم کا حضرت امیر ملت کی بیعت کا تذکرہ نہیں ہے تحریک پاکستان کی ان دو عظیم شخصیات کی باہمی محبتوں کا طویل تذکرہ ہے۔ حضرت قائداعظم کا علماء ومشائخ کی صحبتوں سے استفادہ تو مسلم ہے جس کا واضح ثبوت قیام پاکستان کے وقت مغربی ومشرقی پاکستان کے دونوں حصوں میں پرچم کشائی کی تقریب وقت کے دو جید علماء سے کروانا ہے اور اپنے جنازہ کے لیے جلیل القدر عالم مولانا شبیر احمد عثمانی کے لیے وصیت کرنا ہے یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ قائداعظم رحمہ اللہ پاکستان کے نہ صرف بانی عظیم رہنما ہیں بلکہ اسلام کے بطل حریت بھی ہیں اور انہیں برصغیر کے علماء ومشائخ کی دینی و روحانی پشت پناہی و سرپرستی حاصل تھی۔ محترم محمد صادق قصوری صاحب کی یہ تازہ محققانہ جستجو پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے ایک راہنما ہے جو ان کی اخروی نجات کے لیے زادراہ ہے۔ بارگاہ الٰہی میں قبولیت کی دعا ہے۔

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین پیشکشیں

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہم

امامِ ترمذی رحمہ اللہ کی جامع السنن کے "ابواب البر والصلہ" کے درسی افادات جس میں والدین کے حقوق، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوق، بڑوں کا ادب و احترام، چھوٹوں پر شفقت، بہنوں اور بیٹیوں کی تعلیم وتربیت، ازدواجی حقوق اور بچوں کی پرورش اور سرپرستی، یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری، ضعیفوں اور بے کسوں کے ساتھ ہمدردی، غلاموں اور خادموں سے لطف اور نرمی، مریضوں کی عیادت، مصیبت زدہ کی مدد اور ان سے تعاون، نیز سلام کو عام کرنا، مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، عفوودرگزر سے کام لینا، عہد کی پابندی کرنا سچ بولنے کی عادت بنانا، الغرض ہر قسم کی خوش اخلاقی اور حسن معاشرت کی تعلیم دی گئی ہے اور ان اوصافِ حسنہ کے فضائل یعنی دنیا میں ان پر مرتب ہونے والے اچھے اثرات اور آخرت میں اس پر ملنے والے اجروثواب کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ صفحات ۴۰۰ سے زائد......

پیش لفظ: مولانا عبدالقیوم حقانی — جمع وترتیب: مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی

بنیاد کا پتھر

مولانا عبدالقیوم حقانی کے سحر انگیز قلم سے

اپنے موضوع پر پہلی اور مستقل کتاب......تنظیموں، جماعتوں، تحریکوں اور اداروں کے اصل روحِ رواں کارکن ہوتے ہیں، جن کی حیثیت ''بنیاد کے پتھر'' کی ہوتی ہے۔ کارکن کی محنت، لگن، اعلیٰ کارکردگی اور مخلصانہ کردار سے انقلاب واقع ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک مخلص، جفاکش، نظریاتی، جوان سال اور وفادار کارکن کی دلچسپ کارکردگی اور حیرت انگیز کردار اور ہمہ جہتی، فکر انگیز، سبق آموز تصنیف، تاریخ وتذکرہ اور علم وادب کا حسین مرقع......منظر عام پر آ گئی ہے۔

صفحات: ۲۷۲، قیمت ۲۵۰ روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے پی کے پاکستان 0346-4010613

ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نامِ مصطفےٰ کے لئے جان بھی قربان ہے
مر مٹے گا اس کے لئے جو بھی مسلمان ہے
چھیڑو نہ اسلام کے شیروں کو ہے بہتر یہی
بات یہ اقبال نے اِک روز دنیا سے کہی
جان لو کہ ہر مسلمان شعلہ ہے طوفان ہے
مر مٹے گا اس کے لئے جو بھی مسلمان ہے
بند کرو شیطانو اپنی مکروہ یہ شیطانیاں
کر رہے ہو بار بار ہم سے چھیڑ خانیاں
اُمتِ مسلم سے کھلی جنگ کا یہ اعلان ہے
مر مٹے گا اس کے لئے جو بھی مسلمان ہے
غصے کا عالم ہے سارے عالم اسلام پہ
مار دیں یا کٹ مریں گے ہم نبیؐ کے نام پہ
جس کی دھن پہ ناچتے ہو عالمی شیطان ہے
مر مٹے گا اس کے لئے جو بھی مسلمان ہے
حب مصطفےٰ کے لئے جب بھی چلیں گے قافلے
نہ ملیں گے کافروں کو بھاگنے کے راستے
حرمت رسول ہی تو دین ہے ایمان ہے
مر مٹے گا اس کے لئے جو بھی مسلمان ہے

ارسال کردہ: خالد اشیر ایڈووکیٹ لاہور

چوہدری عبدالخالق، سبزہ زار لاہور 0323-4145925

نظام خلافت کے عادلانہ نظام کی برکات
ہر مکان اور ہر جھونپڑی میں پہنچ کر رہیں گی

عن المقداد ؓ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: لَایَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَ لَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَ ذُلِّ ذَلِیْلٍ اِمَّا یُعِزُّھُمُ اللّٰہُ فَیَجْعَلُھُمْ مِنْ اَھْلِھَا اَوْ یُذِلُّھُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَھَا۔ قُلْتُ (فَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ)

(رواہ احمد فی ”المسند“ بسند صحیح)

حضرت مقداد ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کو مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرمادے گا اور انہیں کلمہ اسلام کا قائل و حامل بنادے گا۔ (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرمادے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے!'' حضرت مقداد ؓ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا! ''پھر تو واقعتاً دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا!''

صلح حدیبیہ کے بعد 8ھ میں سیّدنا حضرت محمد ﷺ کا
ہرقل قیصر روم کی طرف نامہ مبارک کا عکس

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبدالله و رسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى أما بعد: فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك اللّٰه أجرك مرتين فإن توليت فعليك إثم الاريسيين و ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾

ترجمہ: اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے رومی حکمران ہرقل کے نام۔

جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو! اما بعد: میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں دوہرا اجر دے گا، پھر اگر تم نے حق سے منہ موڑا تو ان کاشتکاروں (شام و مصر وغیرہ کے عیسائیوں) کی گمراہی کا بوجھ تم پر ہی ہوگا۔ اور (قرآن مجید میں ارشاد باری ہے): ''اے اہل کتاب! آؤ اُس ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو پروردگار نہ ٹھہرائے، پھر اگر وہ (حق سے) منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔''

(از: اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ)

ماہنامہ حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت ستمبر 2012ء

یاجوج ماجوج؟

مع اضافہ جات

شائع ہو چکی ہے

صفحات 200 سے زائد۔ قیمت 220 روپے

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیامِ پاکستان سے پہلے وفات پا جانے والی

21 نامور اسلامی انقلابی شخصیات

پر مئی 2006ء سے مارچ 2008ء تک قرآن اکیڈمی جھنگ میں ماہانہ سیمینار منعقد ہوتے رہے ہیں۔ بعد ازاں حکمت بالغہ میں جون 2008ء نومبر 2010ء تک ان سیمیناروں کی تفصیلی روداد شائع ہوتی رہی ہے

اَلحَمدُ لِلّٰہ اب یہ کتابی شکل میں

حصہ اوّل   حصہ دوم   حصہ سوم

تین حصوں میں کتابی شکل زیرِ طبع ہیں۔

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیر انتظام انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7630861